گلزارِ اُردو

بارھویں جماعت کے لیے

(اُردو نصاب (لازمی) ۲۰۱۹ء کے مطابق)

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

ناشر:

اقبال پبلشنگ کمپنی، حیدر آباد۔

جملہ حقوق بہ حق سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ محفوظ ہیں
تیار کردہ : سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

منظور شدہ : نظامتِ نصاب، جائزہ و تحقیق سندھ، جام شورو اور محکمہ تعلیم و خواندگی برائے اسکول سندھ۔
جائزہ شدہ : صوبائی کمیٹی برائے جائزہ درسی کتب و نصاب سندھ۔
مراسلہ نمبر: Letter No: SELD/GA/CW/396/2021/Dated:07-02-2023

نگرانِ اعلیٰ

آغا سہیل احمد
چیئرمین سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

نگراں

- ناہید اختر

مصنّفین/مؤلفین

- محمد ناظم علی خان ماتلوی - پروفیسر ڈاکٹر عتیق احمد جیلانی - پروفیسر ڈاکٹر شاہ انجم

صوبائی جائزہ کمیٹی

- سید مسرّت حسین رضوی - نیّر رفیق - پروفیسر محسن شیخ - ڈاکٹر نثار احمد
- عطاءُالرحمٰن خان - منور عباس جتوئی - وسیم مغل - زاہدہ بنگش - محمد فاروق دانش

مدیر

ڈاکٹر شذرہ حسین شر

پروف خوانی

ندیم حاکم علی

سرورق

صوبام طٰہٰ عباسی

کمپوزنگ : بختیار احمد بھٹو

ناشر: پیراماؤنٹ پرنٹنگ پریس، کراچی

قائدِ اعظمؒ محمد علی جناح نے فرمایا:

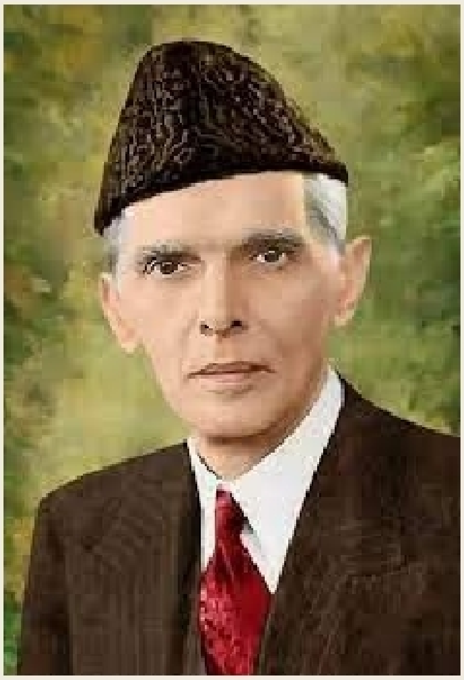

میں آپ کو مصروفِ عمل ہونے کی تاکید کرتا ہوں۔ کام کام اور بس کام۔ سکون کی خاطر، صبر و برداشت اور انکساری کے ساتھ اپنی قوم کی سچّی خدمت کرتے جائیں۔

آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹ کانفرنس۔ جالندھر ۱۵ نومبر ۱۹۴۲ء

اظہارِ تشکّر

سندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ، ورثائے مُصنفین و شعرائے کرام اور مختلف اداروں کا شکر گزار ہے کہ اُنھوں نے اس مجموعے میں طبع کردہ افسانوں، مضامین وغیرہ کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

ہدایات برائے اساتذہ

(پڑھانے سے پہلے اسے ضرور پڑھیے)

درسی کتاب ''گلزارِ اُردو'' برائے بارھویں جماعت میں تدریس زبان کے تین پہلو نمایاں ہیں۔

۱- تدریسِ نثر ۲- تدریسِ نظم ۳- تدریسِ قواعد

ان تین پہلوؤں کے حوالے سے ذیل میں ہدایات برائے اساتذہ پیش کی جارہی ہیں تاکہ تدریسی وآموزشی عمل کو دل چسپ، مؤثر اور نتیجہ خیز بنایا جاسکے۔

۱- تدریسِ نثر: نثری اسباق کی تدریس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ میں توجہ سے سن کر سمجھنے، درست تلفظ اور لب ولہجے سے بول کر اپنے خیالات واحساسات کا اظہار کرنے، مجوّزہ مواد اور تفہیم عبارت کی تدابیر اختیار کرتے ہوئے سمجھ کر پڑھنے اور ذخیرۂ الفاظ کا موزوں اور بر محل استعمال کرتے ہوئے لکھ کر اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کی صلاحیتیں پیدا کی جاسکیں۔ زبان کی بنیادی مہارتوں (سننا، بولنا، پڑھنا، لکھنا) کے علاوہ نصاب اُردو میں مزید پانچ مہارات (زبان شناسی (قواعد)، تقریر، انشاپردازی (تخلیقی تحریر)، مہاراتِ حیات اور تنقید واستحسان) شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ طلبہ میں تخلیقی صلاحیتوں، تنقیدی فکر اور جمہوری رویّوں کا فروغ بھی جدید طرزِ تعلیم وتدریس کا لازمی تقاضا ہیں۔

ان مقاصد کے تحت نثری اسباق کی تدریس میں درج ذیل اقدامات کیجیے:

سب سے پہلے ہر سبق کے آغاز میں دیے گئے حاصلاتِ تعلم پر غور کیجیے کہ سبق کے تدریسی مقاصد کیا ہیں اور وہ کون سی مہارتیں اور اہلیتیں ہیں جو طلبہ سبق کی آموزش کے ذریعے حاصل کریں گے۔

۱- عقبیہ واقفیت کو فعال کرنا(Activating Background Knowledge)

سبق پڑھانے سے قبل طلبہ کو نئی معلومات، تصوّرات اور مہارات سیکھنے کے لیے آمادہ کرنا ایک ضروری مرحلہ ہے۔ اس مقصد کے لیے دل چسپ اور ترغیبی تکنیکیں اور تدابیر اختیار کیجیے، مثلاً:

سبق کے عنوان/ مواد سے متعلق:

- سوال وجواب کرنا
- تصاویر دکھانا
- مختصر کہانی/ واقعہ یا خبر سنانا
- ذہنی تحریک (Brainstorming) پیدا کرنا (سبق کا عنوان تختۂ تحریر پر ایک دائرے میں لکھیے اور عنوان پر طلبہ کی سابقہ واقفیت دریافت کرکے دائرے کے گرد لکھتے جایئے)

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ذہنی آمادگی کی اِس سرگرمی کادورانیہ مختصر ہونا چاہیے تاکہ سبق کی معلومات اور اس کی تفہیم و وضاحت کو زیادہ وقت دیا جاسکے۔

۱.۲- نئی معلومات کی تشکیل(Constructing New Knowledge)

سبق کا یہ مرحلہ مقرّرہ دورانیے (Period) میں سب سے زیادہ وقت کا متقاضی ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس میں اساتذہ وطلبہ

کی زیادہ سرگرمیاں ہوتی ہیں۔اس مرحلے پر درج ذیل اقدامات کیجیے:

- مصنف کا تعارف: ہر سبق کے آغاز میں متعلقہ مصنف کا مختصر تعارف نکات کی صورت میں دیا گیا ہے۔ان نکات کو مختصراً بیان کیجیے۔
- سبق کا تعارف: سبق کی صنفِ ادب کا مختصر تعارف کرائیے مثلاً: مضمون،افسانہ،ناول،سفر نامہ وغیرہ۔
- بلند خوانی وخاموش خوانی: چوں کہ یہ اعلیٰ ثانوی سطح ہے لہٰذا اس مرحلے میں بلند خوانی سے زیادہ خاموش خوانی کے ذریعے تفہیم عبارت پر زور دینا چاہیے۔فعال آموزشی عملی حکمتیں (Active Learning Strategies) اختیار کرتے ہوئے طلبہ کو گروہوں (Groups) یا جوڑیوں (Pairs) میں تقسیم کیجیے اور سبق کے پیرا گراف کی تعداد کی مناسبت سے ایک ایک یا دو دو پیرا گراف طلبہ کے ہر گروپ یا جوڑے کو تفویض کیجیے کہ وہ انھیں پڑھیں، سمجھیں اور اہم نکات نوٹ کرتے جائیں۔ ساتھ ہی پیرا گراف سے متعلق مشقی سوالات بھی بتا دیجیے کہ پڑھ کر ان سوالات کے جواب تحریر کریں۔ طلبہ کو یہ بھی بتا دیجیے کہ اُنھیں دیے گئے پیرا گراف کے نئے الفاظ کے معنی کتاب کے آخر میں دی گئی فرہنگ میں موجود ہیں۔ یہاں اس بات کو یقینی بنائیے کہ گروہ یا جوڑی میں شامل ہر طالب علم / طالبہ تفہیمی وآموزشی عمل میں فعالیت سے شریک ہے۔اس مقصد کے لیے کمرۂ جماعت میں ہر گروہ کے پاس جائیے اور چیک کیجیے۔اس طلبہ مرکوز طریقے (Student- centered Approach) میں آپ کا کردار آموزشی سہولت فراہم کنندہ (Facilitator) کا ہے۔ سبق کے نئے الفاظ طلبہ کے ذخیرہ الفاظ میں محفوظ کرنے کے لیے محض ان کے معنی بتا دینا کافی نہیں بلکہ جملوں میں ان کا استعمال کرانا بھی ضروری ہے، تاکہ طلبہ یہ الفاظ اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔

طلبہ کو دیے گئے مقررہ وقت کے بعد ہر گروہ یا جوڑے سے پیشکش (Presentation) کرائیے۔ ہر گروہی پیش کش کے دوران دوسرے گروہ کو متوجہ رہنے کی ہدایت کیجیے۔ پیش کش کے بعد مؤثر، تعمیری اور بروقت بازرسی (Feedback) فراہم کیجیے۔

۳- ۱- خلاصۂ سبق (Sum–up)

تمام سرگرمیوں کے اختتام پر سبق کے اہم نکات کا خلاصہ پیش کیجیے تاکہ سبق کا اعادہ ہو سکے۔

۴- ۱- جانچ (Assessment)

طلبہ کے حاصلات کی جانچ دو طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ اوّل دورانِ تدریس جانچ (Formative Assessment) جو پڑھانے کے دوران کی جا سکتی ہے طلبہ کے کیے گئے کاموں سے اُن کی تفہیم و حاصلات کا علم ہو جاتا ہے کہ وہ تصوّرات و معلومات سمجھ رہے ہیں یا نہیں۔

دوسرا طریقہ بعد از تدریس جانچ / کلی جانچ (Summative Assessment) کا ہے جس میں سبق کے اختتام پر مختلف نوعیت کے مشقی سوالات دیجیے۔

تفویض کار (Assignment)

سبق کے تصورات و معلومات پختہ کرنے اور تحریری صلاحیت میں فروغ کے لیے تفویض کار (Assignment) دیجیے بعد ازاں اس کی جانچ کرکے بروقت بازرسی (Feedback) بھی فراہم کیجیے۔

۱۔ **نظم کی تدریس:** تدریسِ نظم میں بھی تدریسِ نثر میں متذکرہ بالا اقدامات ہی اختیار کیجیے تاہم نظم کی تدریس کا مقصد الفاظ و معلومات فراہم کرنے سے زیادہ طلبہ کے ذوقِ جمالیات اور قوتِ مُتخیّلہ کا فروغ ہے۔ شعر خوانی کا شوق پیدا کرنا اور الفاظ کے وزن و آہنگ کا احساس دلانا تدریسِ نظم کے خاص اہداف ہیں۔ تدریسِ نظم کے ذیل میں بیان کردہ اقدامات ذہن میں رکھتے ہوئے تدریسِ نظم کے لیے درج ذیل اقدامات کیجیے:

- شاعر کا تعارف
- صنفِ سخن کا تعارف
- سابقہ واقفیت کو فعال کرنا
- نئی معلومات کی تشکیل: نئے الفاظ و تراکیب کے معنی پہلے سے تیار کردہ چارٹ تختۂ تحریر پر تحریر کر دیجیے۔

اس مرحلے پر غزل، نظم وغیرہ کی مثالی بلند خوانی میں درست تلفظ، لے، آہنگ اور تاثر کا خیال رکھیے۔ طلبہ سے بھی بلند خوانی کرائیے۔ دورانِ بلند خوانی تلفظ کی غلط ادائی پر نہ روکیے بلکہ اغلاط بورڈ پر تحریر کرتے جائیے۔ بعد از بلند خوانی الفاظ کا درست تلفظ مع معنی بتائیے۔

اشعار کی تفہیم کے لیے پہلے طلبہ کو موقع فراہم کیجیے کہ اشعار سمجھیں۔ بعد ازاں اصلاح کرتے ہوئے اشعار کی تشریح و توضیح کیجیے۔ اسی طرح مشقی سوالات بھی پہلے طلبہ سے کروائیے اور پھر ان کے کام کی جانچ کرتے ہوئے مؤثر، تعمیری اور بروقت بازرسی (Feedback) فراہم کیجیے۔

۳۔ **تدریسِ قواعد / صنائع بدائع:** قواعد کی تدریس کے دو طریقے ہیں۔

(الف) استخراجی (Deductive Method)

(ب) استقرائی (Inductive Method)

استخراجی طریقے میں کسی بھی قواعدی پہلو کی تعریف پہلے بتائی جاتی ہے جب کہ مثالیں بعد میں دی جاتی ہیں مثلاً "صنعتِ تکرار" سکھانے کے لیے پہلے اس کی تعریف بتائی جائے گی کہ شعر میں کسی لفظ کا ایک سے زائد بار آنا "صنعتِ تکرار" کہلاتا ہے۔ مثلاً:

وہ تھا جلوہ آرا مگر تم نے موسیٰؑ
نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا

اس طریقے میں طلبہ تعریفیں یاد تو کر لیتے ہیں تاہم تفہیم کا پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔ استقرائی طریقے میں استخراجی طریقے کے برعکس پہلے کسی قواعدی پہلو کی مثالیں دی جاتی ہیں بعد میں تعریف بتائی جاتی ہے۔ مثلاً: صنعتِ تضاد سکھانے کے لیے پہلے پڑھیے اور پڑھوائیے:

اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

پھر اس شعر میں متضاد الفاظ زمین اور آسمان کی جانب توجہ دلائیے اور بتائیے کہ جب کسی شعر میں ایسے دو الفاظ استعمال کیے گئے ہوں جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے اُلٹ ہوں تو اِسے "صنعتِ تضاد" کہتے ہیں۔

فہرست

حصّۂ نثر

نمبر شمار	عنوان	مصنفین	صفحہ نمبر
۱	سیرت محمدی کی جامعیت	سید سلیمان ندوی	۱۲
۲	عالم گیر کا انصاف	علامہ شبلؔی نعمانی	۱۸
۳	خوش طبعی	محمد حسین آزادؔ	۲۲
۴	قحط الرجال	مختار مسعود	۲۷
۵	مشاعرہ	ڈاکٹر فرمان فتح پوری	۳۲
	کالم نگاری		
۶	ادب آموزوں کے نام	چراغ حسن حسرتؔ	۳۷
۷	لاہور میں ادیبوں کی کالونی	مُنّو بھائی	۴۰
	انشائیہ		
۸	میرا البم	وزیر آغا	۴۴
	ناول		
۹	سحر ہونے تک	فضل احمد کریم فضلؔی	۴۹
۱۰	زمین	خدیجہ مستور	۵۵
۱۱	نئے دور کی لڑکی	مرزا قلیچ بیگ مترجم: امداد حسینی	۶۰
	داستان		
۱۲	چار مال دار	حیدر بخش حیدری	۶۶

		شخصیت نگاری	
۱۳	حسرت موہانی	مولوی عبدالحق	۷۰
۱۴	سر اقبال مرحوم	رشید احمد صدیقی	۷۴
۱۵	چمنے کہ تا قیامت.....	ڈاکٹر اسلم فرّخی	۷۹
		طنز و مزاح	
۱۶	سویرے جو کل آنکھ میری کھلی	پطرس بخاری	۸۴
۱۷	کرکٹ	مشتاق احمد یوسفی	۹۰
		حصّۂ نظم	
۱	حمد	مظفؔر وارثی	۹۶
۲	نعت	محسؔن کاکوروی	۹۸
۳	منقبت	اعجاؔز رحمانی	۹۹
۴	حضرت فاطمہ زہرؓا کی رُخصتی	حفیظ جالؔندھری	۱۰۴
۵	چاند اور تارے	علامہ اقباؔل	۱۰۶
۶	بدلی کا چاند	جوشؔ ملیح آبادی	۱۰۷
۷	کتبہ کون لکھے گا (آزاد نظم)	یاسمؔین حمید	۱۱۰
۸	مرہم (آزاد نظم)	مختاؔر کریمی	۱۱۲
۹	دو بہرے شناساؤں کی ملاقات (طنز و مزاح)	سید ضمؔیر جعفری	۱۱۵
۱۰	گیت	نگاؔر صہبائی	۱۱۸
۱۱	اسلوب (ثلاثی)	حمایت علی شاؔعر	۱۲۰
۱۲	آبِ زم زم (ہائیکو)	رسؔا چغتائی	۱۲۰
۱۳	کام (ہائیکو)	وضاحت نسیم	۱۲۱

	غزلیات		
۱۴	خواجہ میر دردؔ		۱۲۳
۱۵	میر تقی میرؔ		۱۲۴
۱۶	مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ		۱۲۵
۱۷	مومن خان مومنؔ		۱۲۷
۱۸	فراقؔ گورکھپوری		۱۳۰
۱۹	جگرؔ مرادآبادی		۱۳۱
۲۰	ناصرؔ کاظمی		۱۳۴
۲۱	جونؔ ایلیا		۱۳۵
۲۲	فاطمہ حسن		۱۳۶
	پاکستانی ادب		
۲۳	خُوش حال خان خٹکؔ		۱۴۰
	فرہنگ		۱۴۱

حصّهٔ نثر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
شُروع اَللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

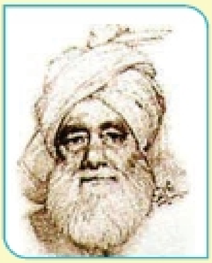

سیّد سلیمان ندوی

پیدایش: ۱۸۸۴ء

وفات: ۱۹۵۳ء

تصانیف: تاریخ ارض القرآن، حیاتِ شبلی، مقالاتِ سلیمان، خطباتِ مدراس

سیرتِ محمدیؐ کی جامعیت

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- کسی متن کو سن کر اپنی جماعت کے مطابق تفصیلی جواب دے سکیں۔ ۲- پیشہ ورانہ ضرورتوں کی تحریریں پڑھ سکیں۔ ۳- مباحثوں، مذاکروں، سیمیناروں میں حصہ لے سکیں اور کسی موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل دے سکیں اور آدابِ تقریر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی رائے پیش کر سکیں۔

خدا کی محبت کا اہل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لیے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مذہب کے شارع اور طریقے کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، ان پر عمل کیا جائے۔ لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے۔ اس نے اپنے پیغمبر کا عملی مجسمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے اور اس عملی مجسمے کی پیروی اور اِتّباع کو خدا کی محبّت کے اہل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے۔ چناں چہ اسلام میں دو چیزیں ہیں: کتاب اور سُنّت۔ کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعے سے ہم تک پہنچے ہیں اور سُنّت جس کے لُغوی معنی "راستہ" کے ہیں، وہ راستہ جس پر پیغمبرِ اسلام خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے۔ یعنی آپ کا عملی نمونہ، جس کی تصویر احادیث میں بہ صورتِ الفاظ ہے۔ الغرض ایک مسلمان کی کام یابی اور تکمیلِ روحانی کے لیے جو چیز ہے وہ ''سنتِ نبویؐ'' ہے۔

وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں، ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنفِ انسانی سے متعلق ہوں۔ اس دنیا کی بنیاد ہی اختلافِ عمل پر ہے۔ باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعے سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ یا رئیسِ جُمہور اور حُکّام بھی ضروری ہیں اور محکوم، مطیع اور فرماں بردار رعایا بھی۔ امن وامان کے قیام کے لیے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی۔ غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی۔ رات کے عابد وزاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی۔ اہل وعیال بھی ہیں اور دوست واحباب بھی۔ تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام اور پیشوا بھی۔ غرض اس دنیا کا نظم ونسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اَصنَاف کو اپنی اپنی زندگی کے لیے عملی مجسمے اور نمونے کی ضرورت ہے۔ اسلام ان تمام انسانوں کو سنتِ نبویؐ کی اتباع کی

دعوت دیتا ہے۔اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقاتِ انسانی کے لیے اپنے پیغمبرؐ کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے۔ اسلام کے صرف اِسی نظریے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی سیرت میں جامعیّت ہے۔ یعنی انسانوں کے ہر طبقے اور صنف کے لیے آپؐ کی سیرتِ پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے لیے درس اور سبق موجود ہیں۔ ایک حاکم کے لیے محکوم کی زندگی، ایک محکوم کے لیے حاکم کی زندگی، ایک دولت مند کے لیے غریب کی زندگی اور ایک غریب کے لیے دولت مند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ عالمَ گیر اور دائمی پیغمبرؐ کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ بہ رنگ پھولوں کا گل دستہ ہو۔

اصنافِ انسانی کے بعد دوسری جامعیت خُود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے۔ ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اُٹھتے بیٹھتے بھی ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی ہیں، ہنستے بھی ہیں، روتے بھی ہیں، سیکھتے بھی ہیں، سکھاتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی۔ احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی ہیں۔ اپنی جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی۔ عبادت و دُعا بھی کرتے ہیں اور کاروبار بھی۔ مہمان بھی بنتے ہیں اور میزبان بھی۔ ہم کو ان تمام اُمور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعالِ جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں عملی نمونوں کی ضرورت ہے جو ہم کو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہ نمائی کا درس دیں۔

غرض ایک ایسی شخصی زندگی، جو ہر طائفۂ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اَخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ خاتَم النّبیّین صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ (ترجمہ: حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ (صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) پر اور آپ کے آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمت اور سلامتی ہو۔) کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکے کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعبِ ابی طالب کے قیدی اور مدینے کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حُنَین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ اُحد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم اُستاد اور معلّم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلمِ قُدس کو دیکھو۔ اگر شاگرد ہو تو رُوح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجدِ مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کم زور بنا چکے ہو تو فاتحِ مکہ کا نظارہ کرو۔ اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو۔ اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشے کو نہ بُھولو۔ اگر بچے ہو تو حلیمہ سعدیہؓ کے لاڈلے بچےؐ کو دیکھو۔ اگر تم جوان ہو تو مکے کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کارواں سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبے میں نُورِ آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجرِ اَسوَد کو کعبے کے ایک گوشے میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینے میں کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے مُنصف کو دیکھو جس کی نظرِ انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔

اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدّس شوہر کی حیاتِ پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمھاری زندگی کے لیے نمونہ تمھاری سیرت کی دُرستی و اصلاح کے لیے سامان، تمھارے ظلمت خانے کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہ نمائی کا نُور، محمد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی جامعیتِ کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دَم مل سکتا ہے، اس لیے طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نورِ ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔ جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی سیرت ہے اس کے سامنے نوحؑ و ابراہیمؑ، ایّوبؑ و یونسؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ علیہم السّلام سب کی سیرتیں موجود ہیں۔ گویا تمام دوسرے انبیائے کرامؑ کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیا کی دکانیں اور محمد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی سیرت، اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکیٹ) ہے۔ جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لیے بہترین سامان موجود ہے۔

ابو سفیان جو آں حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے سب سے بڑے حریف تھے۔ فتح مکہ کے دن وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ رنگ رنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سائے میں اسلام کا دریا اُمنڈتا آرہا ہے۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ ابو سفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکا کھاتی ہیں، وہ حضرت عباسؓ سے کہتے ہیں: ''عباسؓ! تمھارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ بن گیا۔'' عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور ہی دیکھ رہی تھیں، فرمایا: ''ابو سفیان! یہ بادشاہی نہیں، نبوّت ہے۔''

عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے اور مذہباً عیسائی تھے۔ وہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے دربار میں آتے ہیں، صحابہؓ کی عقیدت مندیوں اور جہاد کا ساز و سامان دیکھ کر ان کو اس فیصلے میں دِقّت ہوتی ہے کہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ بادشاہ ہیں یا پیغمبر۔ دفعتہً مدینے کی ایک غریب لونڈی آکر کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضورؐ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ فرماتے ہیں: ''دیکھو مدینے کی جس گلی میں کہو، میں تمھاری باتیں سُن سکتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی حاجت پُوری کرتے ہیں۔ اس ظاہری جاہ و جلال کے پردے میں یہ عجز، یہ خاک ساری، یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے۔ فوراً گلے سے صلیب اتار دیتے ہیں اور محمد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا حلقۂ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔

اب آؤ ذرا عرب کے اس اُمّی مُعلّم کی درس گاہ کا مطالعہ کریں۔ یہ کون طالب علم ہیں؟ یہ ابو بکرؓ و عمرؓ، علیؓ و عثمانؓ، طلحہؓ و زبیر رضی اللہ عنہم مکے کے قریشی طالب العلم ہیں، یہ کون ہیں؟ ابوذرؓ اور انسؓ ہیں۔ یہ مکے سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلے کے

ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوہریرہؓ اور طفیل بن عمروؓ ہیں۔ یمن سے آئے ہیں اور دوسی قبیلے کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ ہیں، یہ بھی یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ضمادؓ بن ثعلبہؓ ہیں، قبیلہ ازد کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ خبابؓ بن الارث تمیم کے ہیں۔ یہ منقذؓ بن حبان اور منذرؓ بن عائذ ہیں۔ عبدالقیس کے قبیلے کے ہیں اور بحرین سے آئے ہیں۔ یہ عبیدؓ و جعفرؓ، عمان کے رئیس ہیں۔ یہ فروہؓ ہیں، یہ معان یعنی حدودِ شام کے رہنے والے ہیں۔ یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلالؓ ہیں ملک حبش والے۔ یہ کون ہیں؟ یہ صہیبؓ رومی کہلاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمانِؓ فارسی ہیں، یہ فیروزؓ دیلمی ہیں، یہ سیبختؓ اور مرکبودؓ ہیں، نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح ۶ھ میں وہ عہد نامہ مرتّب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشا ہے، یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کریں اور مسلمان جہاں چاہیں اپنے مذہب کی دعوت دیں۔ اس دل خواہ کام یابی کے بعد پیغمبرِ اسلام علیہ السّلام نے کیا کیا؟ اسی سال ۶ھ میں تمام قوموں کے سَلاطِین اور اُمرا کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خُدا کا پیغام پہنچایا۔ دِحیہ کلبیؓ، ہِرقل قیصر روم کی بارگاہ میں، عبداللہ ابنِ حُذیفہ سہمیؓ، خسرو پرویز شہنشاہِ ایران کے دربار میں، حاطب بن ابی بلتعہؓ، مُقوقِس عزیزِ مصر کے یہاں، عمرو بن امیّہ، حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، شجاع بن وہب الاسدی شام کے رئیس حارث غسّانی اور سلیطؓ بن عمرو رؤسائے یمامہ کے درباروں میں پیغمبرِؐ اسلام کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی درس گاہ میں داخلے کا اِذنِ عام ہے۔

دوستو! اگر تم مطالعۂ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور دائمی اور عالَم گیر رہ نما نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اعلان فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ○ [۱] اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو، اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم سپہ سالار ہو اور سپاہی ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم اُستاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر دولت مند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو، اگر بے کس اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم خدا کے عابد ہو تو میری پیروی کرو..... اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو۔ غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لیے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ. [۲]

(ماخوذ از: خطباتِ مدراس)

---

[۱] اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اِتباع کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔

[۲] اے اللہ! تو آپؐ پر اور آپؐ کی آل اور اصحاب پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرما۔

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) خدا کی محبت اور پیار کا مستحق بننے کے لیے ہر مذہب نے کیا تدبیر بتائی ہے؟

(ب) ابو سفیان نے فتحِ مکہ کے موقع پر کیا دیکھا اور حضرت عباسؓ نے کیا فرمایا؟

(ج) عدی بن حاتم نے کیسے اسلام قبول کیا؟ واقعہ بیان کیجیے۔

(د) کن سلاطین و امرا کو دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ کیے گئے؟

(ہ) نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی سیرت کی جامعیت اپنے الفاظ میں لکھیے۔

سوال ۲: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- سُنّت کے لغوی معنی ہیں:

(الف) راستہ (ب) پیروی (ج) نشانی (د) ہدایت

۲- اسلام تمام انسانوں کو دعوتِ اتباع دیتا ہے:

(الف) امیر کی (ب) صوفیا کی (ج) سنتِ نبویؐ کی (د) فقرا کی

۳- صلح حدیبیہ مرتّب ہوئی:

(الف) ۵ھ میں (ب) ۶ھ میں (ج) ۷ھ میں (د) ۸ھ میں

۴- ابو سفیان نے رسول کریمؐ کے بارے میں جو کہا، اس کی وجہ تھی:

(الف) لاتعداد جھنڈے (ب) صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد

(ج) قبائل عرب کا جوش خروش (د) لشکرِ اسلامی کے نعرے

۵- فتح مکہ کے دن مختلف قبیلوں کے صحابہ کرامؓ کی شمولیت ظاہر کر رہی تھی:

(الف) اسلام سے قبیلوں کی دوستی (ب) اسلام کی وسعت

(ج) حضور پاکؐ کا جامع اخلاق (د) اسلام کی آفاقی عظمت

سوال ۳: سیرتِ محمدیؐ کی جامعیت کے موضوع پر مضمون تحریر کیجیے۔

سوال ۴: سبق میں موجود مرکب الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

سوال ۵: درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

پیروی - تدبیر - دِقّت - اِستعداد - موقوف - شارع - جامعیت - اِتّباع - خزینہ دار - بیرق

امدادی فعل (HELPING VERB)

اصلی فعل والے جملے:

۱- حامد کتاب پڑھتا ہے۔ ۲- حامد بیٹھتا ہے۔ ۳- حامد نے محمود کو پکڑا۔

ایسے جملے جن میں اصلی فعل کے ساتھ امدادی فعل بھی ہے۔ جیسے:

۱- حامد کتاب پڑھ سکتا ہے۔ ۲- حامد کتاب پڑھنا چاہتا ہے۔

۳- حامد کو کتاب پڑھنا پڑے گی۔ ۴- حامد بیٹھ سکتا ہے۔

۵- محمود کو پکڑنا پڑے گا۔

آپ نے دیکھا کہ پہلے جزو میں پڑھتا ہے، بیٹھا ہے، پکڑا یہ سب اصلی فعل ہیں۔ لیکن دوسرے جزو میں سکتا ہے، چاہتا ہے، پڑے.... یہ اصلی فعل نہیں ہیں کیوں کہ ان سے کسی کام کا کرنا یا پاس ہونا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ فعل تو صرف اصلی فعلوں کی مدد کے لیے استعمال کیے گئے ہیں تاکہ وہ اصلی فعل کی خاص کیفیت بیان کرنے میں اس کی مدد کر سکیں۔

سوال ۶: آپ کو جتنے امدادی فعل یاد آئیں، ان کی مدد سے جملے بنائیے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ سیرت النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے موضوع پر کمرۂ جماعت یا کالج میں مذاکرے کا اہتمام کریں گے۔

۲- مذاکرے میں شریک طلبہ معلم کی مدد سے اظہارِ خیال کے لیے نکات یک جا کریں گے اور پھر آدابِ تقریر ملحوظ رکھتے ہوئے مذاکرے / سیمینار / جلسے سے خطاب کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- تقاریر کے سلسلے میں طلبہ کی رہ نمائی اور حوصلہ افزائی کیجیے۔

شبلی نعمانی

پیدائش: ۱۸۵۷ء

وفات: ۱۹۱۴ء

تصانیف: المامون، سیرتِ نعمان، سیرت النبیؐ، الغزالی، الفاروق، سوانح مولانا روم، شعرالعجم

عالَم گیر کا انصاف

حاصلاتِ تعلُّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱۔ کسی بھی درسی عبارت کو معیارِ رفتار سے طائرانہ وغائرانہ انداز سے سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ۲۔ طویل درسی متون کی تلخیص کر سکیں۔ ۳۔ تھیسارس کا استعمال بہ طورِ استدلال کر سکیں۔ ۴۔ ادبی و علمی تحریریں پڑھ کر خود بھی اس قسم کی تحریریں لکھ سکیں۔ ۵۔ کسی ادب پارے کے بارے میں انتقادی رائے دے سکیں اور اس کے ادبی مقام کا تعین کر سکیں۔

عالَم گیر کے عہدِ حکومت کا سب سے بڑا روشن کارنامہ اس کا عدل وانصاف ہے، جس میں عزیز و بے گانہ، غریب و امیر، دوست دشمن کی تمیز نہ تھی۔ ایک رُقعے میں خُود لکھتا ہے کہ معاملاتِ انصاف میں شہزادوں کو میں عام آدمیوں کے برابر سمجھتا ہوں۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ غیروں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ لین پول صاحب عالَم گیر کے سوانح میں لکھتے ہیں:

"مغلِ اعظم عدل کا دریاے اعظم ہے۔ جچے تُلے انصاف سے وہ فیصلے کرتا ہے۔ شاہنشاہ کے حضور میں سفارش، اَمارت اور منصب کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی اورنگ زیب اس مستعدی سے بات سنتا تھا، جس طرح کہ بڑے سے بڑے افسر کی۔"

عالَم گیرُ نے اپنی زندگی کا مقصد سلطنت کے جاہ و جلال، شان و شوکت، ناز و نِعَم کے بہ جاے صرف رعایا کی خدمت اور راحت رسانی قرار دیا تھا۔ وہ انتہاے پیری تک دربار میں کھڑے ہو کر رعایا کی عرضیاں لیتا تھا، اور خود اپنے ہاتھ سے ان پر حکم لکھتا تھا۔ ڈاکٹر جیلی کریری نے اٹھتر برس کی عمر میں عالَم گیر کو دیکھا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے:

"وہ صاف و سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصاے پِیری کے سہارے امیروں کے جُھرمٹ میں کھڑا تھا اور

اس کی پگڑی میں بڑا لکڑا از مرد کا ٹنکا ہوا تھا۔ داد خواہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دست خط کرتا جاتا تھا اور اس کے ہشاش بشاش چہرے سے صاف مترشح ہوتا تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شاداں وفرحاں ہے۔"

وہ دن میں دو تین دفعہ دربارِ عام کرتا تھا اور مطلق کسی کی روک ٹوک نہ تھی۔ ادنیٰ سے ادنیٰ جو چاہتا تھا، کہتا تھا اور عالَم گیر نہایت توجہ سے سنتا تھا۔ مرزا کام بخش، عالَم گیر کا نہایت چہیتا بیٹا تھا۔ اس کے کوکہ پر قتل کا الزام قائم ہوا۔ عالَم گیر نے حکم دیا کہ عدالت میں تحقیقات کی جائے۔ کام بخش نے اس کی حمایت کی۔ عالَم گیر نے دربار میں کام بخش کو بُلا بھیجا۔ کام بخش اس کو بھی ساتھ لایا تھا اور اپنے آپ سے جدا نہیں کرتا تھا۔ عالَم گیر نے حکم دیا کہ کام بخش بھی کوکہ کے ساتھ قید کیا جائے۔ چناں چہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔

۱۰۷۵ھ میں حسن ابدال کے سفر میں عالَم گیر نے ایک دن ایک باغ میں قیام کیا۔ دیوار کے نیچے ایک بُڑھیا کا مکان تھا۔ بُڑھیا کی ایک پَن چکی تھی، جس میں باغ سے پانی آتا تھا۔ سرکاری آدمیوں نے پانی روک دیا اور پَن چکی بند ہوگئی۔ عالَم گیر کو خبر ہوئی، اسی وقت پانی کھلوا دیا۔ رات کو جب خاصے پر بیٹھا تو دو قاب کھانے کے اور پانچ اشرفیاں ابوالخیر کو دیں کہ جا کر بُڑھیا کو دو اور میری طرف سے معذرت کرو کہ افسوس! ہمارے آنے کی وجہ سے تم کو تکلیف ہوئی، تم معاف کردو۔ صبح ہوئی تو پالکی بھیج کر بُڑھیا کو بلایا اور حرم میں بھیجا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بُڑھیا کی دو بِن بیاہی بیٹیاں اور دو بچے ہیں۔ دو سو روپے عنایت کیے۔ مستورات نے اس کو زَر و جواہر سے مالا مال کردیا۔ دو تین دن کے بعد پھر بُلوایا اور لڑکی کی شادی کے لیے دو ہزار روپے عنایت فرمائے۔ بیگمات اور شہزادوں نے روپے اور اشرفیاں برسادیں، یہاں تک کہ چند روز کے بعد بڑھیا اچھی خاصی امیر ہوگئی۔

اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں، لیکن ایک آرٹیکل میں یہ تمام کارنامے سما نہیں سکتے۔ عالَم گیر کے رقعات پڑھو، ہر ہر سطر میں نظر آتا ہے کہ کس تاکید، کس اہتمام، کس شفقت سے انصاف رسانی کے متعلق احکام اور فرامین بھیجتا رہتا ہے اور دل سے لگی ہے کہ ایک شخص کا بھی بال بیکا نہ ہونے پائے۔

(ماخوذ از: اورنگ زیب عالَم گیر پر ایک نظر)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اورنگ زیب عالم گیر کا سب سے بڑا کارنامہ بیان کیجیے۔

(ب) لین پول نے اورنگ زیب کو عدل کا دریاے اعظم کیوں کہا ہے؟

(ج) عالم گیر نے اپنے چہیتے بیٹے مرزا کام بخش کو "کوکہ" کے ساتھ قید کرنے کا حکم کیوں دیا؟

(د) حسن ابدال کے سفر میں عالم گیرؒ نے بڑھیا کی کیوں اور کس طرح مدد کی؟

(ہ) اچھے حکم راں کے لیے منصف ہونا کیوں ضروری ہے؟

سوال ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- عالم گیر کو شدّت سے احساس تھا کہ کسی شخص کا نہ ہونے پائے:

(الف) نقصان (ب) دل شکستہ (ج) بال بیکا (د) بُرا

۲- بڑھیا کے بچے تھے:

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

۳- عالم گیر نے سفر کیا تھا:

(الف) ۱۰۸۵ء میں (ب) ۱۰۵۸ء میں

(ج) ۱۵۰۸ء میں (د) ۱۵۱۰ء میں

۴- ''اورنگ زیب عدل کا دریاے اعظم تھا'' اس میں صنعت ہے:

(الف) تشبیہ (ب) استعارہ (ج) مجاز مرسل (د) مبالغہ

۵- الفاظ ''شان و شوکت، عیش و عشرت، جاہ و جلال'' میں ترکیب ہے:

(الف) عطفی (ب) تضادی (ج) وصفی (د) اضافی

سوال ۳: درج ذیل الفاظ کے معنی تھیسارس لغت میں سے دیکھ کر لکھیے:

پوشاک، پیری، مطلق، معذرت، اہتمام

سوال ۴: آپ کے خیال میں شبلی کا یہ مضمون ادبی اعتبار سے کیسا ہے؟ دلیل میں اس مضمون کی عبارت کا کوئی حصّہ تحریر کیجیے۔

☆ لین پول صاحب عالم گیر کے سوانح میں لکھتے ہیں: "مغل اعظم عدل کا دریائے اعظم ہے۔ بچے تلے انصاف سے وہ فیصلے کرتا ہے۔"

مندرجہ بالا عبارت میں رابطہ (: Colon) کا استعمال کیا گیا ہے۔ کسی شخص یا بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے جو علامت لگائی جاتی ہے اسے رابطہ : کہتے ہیں۔

سوال ۵: اس کتاب میں سے ایسے چند جملے تلاش کر کے لکھیے جن میں رابطہ کی علامت استعمال کی گئی ہو۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ کسی اخبار کے مخصوص کالم کو طائرانہ طور پر پڑھ کر استاد کو اس کالم کا مفہوم بتائیں گے۔ (گروپ بھی بنا سکتے ہیں)

۲- کسی اخبار یا درسی کتاب کے علاوہ کسی اور کتاب سے مختلف گروہوں / ٹولیوں میں تقسیم ہو کر مضمون پڑھیں گے اور اپنی تنقیدی رائے سے استاد کو آگاہ کریں گے۔

۳ شبلی کے اندازِ تحریر کے مطابق لفظوں کی ترکیبیں استعمال کرتے ہوئے مضامین لکھیں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کو مختلف گروہوں/ٹولیوں میں تقسیم کر کے کسی نئی کتاب/ اخبار سے طائرانہ اور غائرانہ طور پر مختلف مضامین پڑھوائیے اور ہر مضمون کا مطلب معلوم کیجیے۔

☆☆☆☆☆☆

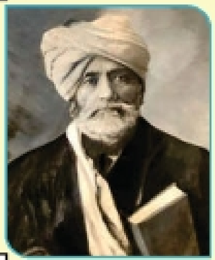

محمد حسین آزاد

پیدائش : ۱۸۳۰ء

وفات: ۱۹۱۰ء

تصانیف: نیرنگِ خیال، دربارِ اکبری، آبِ حیات، سخن دانِ فارس

خُوش طَبعی

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ : ۱- ادبی و علمی تحریریں پڑھ کر خود بھی اس قسم کی تحریر لکھ سکیں۔ ۲- اخبارات و رسائل کے لیے کوئی نیوز اسٹوری، خط بہ نام مدیر یا کوئی مضمون (آرٹیکل) لکھ سکیں۔ ۳- روز مرہ زندگی کی ضرورتوں اور مسائل کے حوالے سے متعلقہ اداروں اور دفاتر کے نام درخواستیں وغیرہ تحریر کر سکیں۔ ۴- سفری روداد جمالیاتی و ادبی لحاظ سے بیان کر سکیں۔

خُوش طبعی کی تعریف میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ وہ کیا شے ہے۔ البتہ یہ کہنا آسان ہے کہ وہ کیا شے نہیں ہے۔ میں اگر اس کی نسبت کچھ خیالات بیان کروں، تو افلاطون کی طرح کنائے اور استعارے سے بیان کروں اور ظرافت کو ایک شخص قرار دے کر اس سے وہ صفتیں منسوب کروں، جو کہ نسب نامۂ مندرجہ ذیل میں درج ہیں۔ یہ واضح ہو کہ سچ، خُوش طبعی کے خاندان کا بانی مَبانی ہے۔ اس گھرانے میں حسنِ ادب ایک نہایت معقول شخص تھا۔ اس کا بیٹا حُسن بیاں ہوا۔ اس نے اپنے ایک برابر کے خاندان میں شادی کی۔ اس کی دُلھن کا نام خندہ جبیں تھا کہ آٹھ پہر ہنستی ہی رہتی تھی۔ چناں چہ ان کے گھر میں میاں خُوش طبع پیدا ہوئے۔ چُوں کہ خُوش طبع سارے خاندان کا لُبِّ لباب تھا اور بالکل مختلف طبیعت کے والدین سے پیدا ہوا تھا، اس لیے اس کی طبیعت بُوقلمُوں اور گوناگوں تھی۔ کبھی تو نہایت سنجیدہ اور معقول وضع اختیار کر لیتا تھا اور کبھی رنگین بانکا بن جاتا تھا۔ کبھی ایسا بن کر نکلتا گویا قاضی القضات یا شیخ الاسلام چلے آتے ہیں اور کبھی ایسے مسخرے بن جاتے ہیں کہ بھانڈوں کو بھی طاق پر بٹھاتے۔ لیکن چُوں کہ ماں کے دُودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے، اس لیے کسی حالت میں ہو، اہلِ محفل کو ہنسائے بغیر نہ رہتا تھا۔ اسی کے ہم سائے میں ایک مکر باز جعل ساز بھی رہتا تھا کہ اس نے بھی خُوش طبع اپنا نام رکھ لیا تھا اور لوگ بھی اس بدذات کو اسی کا قائم مقام سمجھتے تھے۔ پس اس خیال سے کہ نیک مرد، ناواقف اس کے دھوکے میں نہ آئیں، اگر کبھی ایسے شخص سے ملیں تو اس کی اصل نسل کو اچھی طرح سمجھ لیں اور غور سے دیکھیں کہ دُور نزدیک کچھ رشتہ اس کا سچ کے قبیلے سے جاملتا ہے یا نہیں اور حقیقت میں وہ حُسنِ ادب کے گھرانے سے پیدا ہوا ہے یا کسی اور سے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہی جَعل ساز بہروپیا سمجھیں۔

ایک پہچان اس کی یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی محفل میں بیٹھا ہوتا ہے، تو اسی کے قہقہے کان میں آتے ہیں اور گرد اس کے متین اور معقول لوگ خاموش بیٹھے نظر آتے ہیں اور جب ظرافتِ اصلی محفل آرا ہوتی ہے تو آپ کمال سنجیدگی سے بیٹھی ہوتی ہے، گرد اُس کے سب ہنستے ہیں۔ بلکہ اتنی بات اور بھی کہتا ہوں کہ اگر اس کے خاندان میں خُوش طبعی یا خندہ جبینی یا خُوش بیانی، کسی کی بُو نہ آئے، تو اسے بھی وہی جعل ساز بہروپیا سمجھنا چاہیے۔

جس بہروپیے بھانڈ کا میں نے ذکر کیا، وہ اصل میں جُھوٹ کی اولاد سے ہے اور جُھوٹ حقیقت میں زَٹَل کا باپ تھا۔ زَٹَل سے ایک بیٹا پیدا ہوا کہ اس کا نام سڑی مستان تھا۔ اسی طرح حماقت ایک پُھوڑ عورت تھی اور اس کی ایک بیٹی تھی، جسے مسخرن دِوانی کہتے تھے۔ اس سے سڑی مستان نے شادی کی۔ ان دونوں سے عجب ظرفہ معجون بچّہ پیدا ہوا جسے تم بہروپیا بھانڈ سمجھتے ہو۔ بعض اشخاص کو بعض اوقات اس کے کلام میں بھی خُوش طبعی یا خُوش بیانی کی بُو آتی ہے، مگر وہ حقیقت میں ظرافتِ بداصل ہے۔

میں اس استعارے کو زیادہ تفصیل دیتا اور ظرافتِ بدأصل یعنی بہروپیے بھانڈ کی اولاد جو رگ بیاباں سے بھی زیادہ ہے، سب کا حال نام بہ نام بیان کرتا، خصوصًا ان لڑکے لڑکیوں کا کچھ حال لکھتا جن سے ملکِ وجود میں اس نے اپنی ناپاک نسل پھیلائی ہے، مگر اس سے جابہ جا حسد کی آگ بھڑک اٹھتی، اس لیے جی نہیں چاہتا۔ پھر بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ ظرافتِ اصلی اور ظرافتِ نقلی میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا آدمی اور بندر میں۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اسے بندر کی طرح جُھوٹ موٹ کی دغا بازیاں اور ویسے ہی نقلیں کرنے کی عادت ہے۔ دوسرے، اس قسم کے کام کرکے نہایت خُوش ہوتا ہے بلکہ دونوں باتیں اسے یک ساں ہیں۔ خواہ خِلعَت پہنا دے، خواہ رُسوا کر دے۔ ابھی ایک شخص کو باعظمت واحترام بنادے، ابھی چٹکیوں میں اُڑا دے۔ کسی کی نافہمی و بدعقلی دکھادے، کسی کی دانش و دانائی سُنادے۔ ابھی دولت و نعمت کی مسند پر بٹھادے، ابھی کنگال فقیر بنادے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جُھوٹ کی تھیلی ہر وقت بھری ہے، کبھی خالی نہیں ہوتی۔ تیسرے، ایسا کم بخت ہے کہ جو ہاتھ اسے رزق دیتا ہے، اسی کو کاٹ کھاتا ہے اور دوست، دشمن دونوں کی برابر خاک اُڑاتا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ انسانیت سے خارج ہے، اس لیے خُوش طبعی کیے جاتا ہے۔ جیسی ہو سکے اور جہاں ہو سکے، نہ یہ کہ جیسی ہونی چاہیے اور جہاں ہونی چاہیے۔ چوتھے، چوں کہ عقل سے بالکل محروم ہے، اس واسطے اخلاق یا صلاحیت کی نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتا۔ پانچویں، چوں کہ ہنسی چُہل کے سوا اور کسی قابل نہیں اور ہر شخص پر فوقیت کی ہَوَس رکھتا ہے، اس لیے اس کا تمسخر ہمیشہ ذاتی ہے یعنی کسی صاحبِ معاملہ یا صاحبِ تصنیف کی ذات سے منسوب ہوتا ہے، نہ کہ فقط اس کی بُرائی یا اس کی تصنیف سے۔

(ماخوذ از: نیرنگِ خیال)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) محمد حسین آزآد نے ظرافت کو ایک شخص کیوں قرار دیا ہے؟

(ب) خوش طبعی کے خاندان کا بانی کون ہے؟

(ج) ''خوش طبع''کیوں اہلِ محفل کو ہنسائے بغیر نہ رہتا تھا؟

(د) آپ کے خیال میں اصل خوش طبعی کی پہچان کیا ہے؟

(ہ) مصنف نے ''خوش طبع'' کی کیا خصوصیات بیان کی ہیں؟

(و) ظرافتِ اصلی اور ظرافتِ نقلی میں فرق کی وضاحت کیجیے۔

سوال ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- سبق ''خوش طبعی'' میں اس فلسفی کا ذکر کیا گیا ہے:

(الف) سقراط (ب) بقراط

(ج) افلاطون (د) ارسطو

۲- اس گھرانے میں ایک نہایت معقول شخص تھا:

(الف) حُسنِ ادب (ب) حُسنِ بیان

(ج) حُسنِ اخلاق (د) حُسنِ خیال

۳- حسنِ بیان کی دُلھن کا نام تھا:

(الف) خندہ جبیں (ب) خندہ رُو

(ج) خندہ لَب (د) خندہ چہرہ

۴- محاورہ "خاک اُڑانا" کا مطلب ہے:

(الف) گرد اڑانا (ب) دولت لُٹانا

(ج) بدنام کرنا (د) غلط لوگوں میں بیٹھنا

۵- مصنف کے نزدیک خوش طبعی اور خوش بیانی علامت ہے:

(الف) جعل سازی میں کام یابی کی　　(ب) خاندانی عظمت کی

(ج) فرد کی اعلیٰ نسبی کی　　(د) بہروپیے کو پہچاننے کی

سوال۳: محفل میں خُوش طبع کی موجودی کو مصنف نے کس طرح بیان کیا ہے؟

سوال۴: اس سبق کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال۵: چند خوش طبع دوستوں کی معیت میں کیے گئے سفر کی رُوداد تحریر کیجیے۔

سوال۶: شہری مسائل کے حوالے سے متعلقہ حکام کے نام درخواست تحریر کیجیے۔

سوال۷: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق وسباق کیجیے:

(الف) ''چُوں کہ خُوش طبع سارے خاندان کا لُبِّ لُباب تھا اور بالکل مختلف طبیعت کے والدین سے پیدا ہوا تھا، اس لیے اس کی طبیعت بوقلموں اور گوناگوں تھی۔''

(ب) ''ایک پہچان اس کی یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی محفل میں بیٹھا ہوتا ہے، تو اسی کے قہقہے کان میں آتے ہیں اور گرد اس کے متین اور معقول لوگ خاموش بیٹھے نظر آتے ہیں۔''

(ج) ''ایسا کم بخت ہے کہ جو ہاتھ اسے رزق دیتا ہے، اسی کو کاٹ کھاتا ہے۔ اور دوست دشمن دونوں کی برابر خاک اُڑاتا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ انسانیت سے خارج ہے، اس لیے خُوش طبعی کیے جاتا ہے۔''

-------- × --------

☆ تمثیل سے مراد ایسی تحریر ہے جس میں تشبیہ واستعارے سے کام لیا جاتا ہو اور جہاں تخیلاتی اور تصوراتی کرداروں کے ذریعے روزمرّہ کے مسائلِ حیات اور انسان کے عقائد وتجربات کا بیان کیا گیا ہو۔ عموماً اسے کسی خاص روحانی یا اخلاقی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں اکثر غیر فطری اور غیر عقلی اشیا کو جان دار بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان باتوں کے ذریعے انسان کی اخلاقی وجذباتی اصلاح وتزکیہ کیا جاتا ہے۔

☆تفصیلیہ (COLON DASH) (:-)

یہ علامت کسی طویل اقتباس کو یا کسی فہرست کو پیش کرتے وقت لاتے ہیں۔ مثلاً: عربی مہینوں کے نام یہ ہیں :-
محرم، صفر، ربیع الاول....

سرگرمیاں

۱- طلبہ کسی اخبار یا جریدے میں اشاعت کی غرض سے کوئی نیوز اسٹوری، مضمون یا مدیر کے نام خط تحریر کریں گے۔
۲- طلبہ اپنے ذوق کے مطابق ادبی و علمی تحریریں تلاش کرکے اُن کا مطالعہ کریں گے۔
۳- اپنے مطالعے کی روشنی میں طلبہ خود بھی کوئی علمی و ادبی مضمون لکھ کر کمرۂ جماعت میں پیش کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- لکھنے کے حوالے سے طلبہ کی حوصلہ افزائی کیجیے۔
۲- قابل مطالعہ علمی و ادبی تحریروں کی نشان دہی کیجیے تاکہ طلبہ اہم اور غیر اہم کتب و جرائد کی پہچان کر سکیں۔

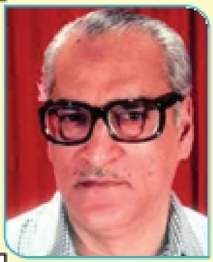

مختار مسعود

پیدائش: ۱۹۲۶ء

وفات: ۲۰۱۷ء

تصانیف: سفرِ نصیب، لوحِ ایّام، آوازِ دوست

قحطُ الرِّجال

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱۔ طویل درسی متون کی تلخیص کر سکیں۔ ۲۔ اخبارات اور جرائد میں خبروں، فیچروں، اداریوں، رپورٹوں، اشتہاروں اور خطوط کو سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ۳۔ مختلف قسم کے فارم پُر کر سکیں۔ مثلاً: ڈومیسائل فارم، پی آر سی فارم، بنک کھاتا فارم، زکوٰۃ فارم، قومی بچت فارم، خدماتِ افادی فارم (بجلی، پانی، گیس کنکشن فارم) وغیرہ۔

قحط میں موت ارزاں ہوتی ہے اور قحط الرّجال میں زندگی۔ مرگِ انبوہ کا جشن ہو تو قحط، حیاتِ بے مصرف کا ماتم ہو تو قحط الرّجال۔ ایک عالَم موت کی ناحق زحمت کا، دوسرا زندگی کی ناحق تہمت کا۔ ایک سماں حشر کا، دوسرا محض حشراتُ الارض کا۔ زندگی کے تعاقب میں رہنے والے قحط سے زیادہ قحط الرّجال کا غم کھاتے ہیں۔

۱۳ ستمبر ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے، میں مسلم یونی ورسٹی ہائی اسکول میں پانچویں جماعت کا طالبِ علم تھا۔ والد محترم نے فرمایا کہ آج ایک چینی مسلمان عالِم ہمارے گھر چائے پر آئے گا، مجھے چاہیے کہ اس سے ملوں اور اس کا آٹو گراف حاصل کروں۔ مہمان کی آمد کی وجہ سے گھر میں سب مصروف تھے مگر اس تجویز کے بعد میری مصروفیت دوسروں سے کچھ زیادہ بڑھ گئی۔ نہ میرے پاس آٹو گراف البم تھی نہ آٹو گراف حاصل کرنے کا تجربہ۔ میں اس کے آداب سے بالکل ناواقف تھا اور واقفیت حاصل کرنے کے لیے صرف دو گھنٹے ملے تھے۔ میں بازار گیا۔ ورما فوٹو گرافر کے یہاں بہت سے البم پڑے تھے۔ مجھے نیلے رنگ کی یہ چھوٹی سی آٹو گراف البم پسند آئی جس میں مختلف رنگوں کے صفحات لگے ہوئے تھے اور جلد پر البم کا لفظ سنہرا چھپا ہوا تھا۔ اس کی قیمت صرف چھے آنے تھی۔ اُس وقت بھی وہ البم مجھے قیمتی لگی اور میں آج بھی اسے بیش قیمت سمجھتا ہوں، البتہ اُن دنوں وجہ کچھ اور تھی اور ان دنوں کچھ اور۔ سہ پہر جب میں نے نامانوس خال وخط کے مہمان کے سامنے اسے پیش کیا تو بڑی مانوس مسکراہٹ اور شفقت سے انھوں نے میری

طرف دیکھا، کچھ باتیں ابا جان سے کیں اور قلم ہاتھ میں لے کر چینی زبان میں تین سطریں لکھیں پھر ان کا لفظی ترجمہ انگریزی میں کر دیا اور دست خط کر کے البم مجھے واپس کر دی۔ میں بہت خوش ہوا، حال آں کہ نہ چینی سمجھ میں آئی، نہ انگریزی۔ ہر اچھے آدمی کے گرد ایک ہالہ ہوتا ہے، اس کے نزدیک جائیں تو دل خُود بہ خُود منوّر ہو جاتا ہے۔ آج میں روشنی کے اس حلقے میں پہلی بار داخل ہوا، اپنے اندھیرے چھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ یہ خُوشی کے ساتھ تعجب کی بات بھی تھی۔ اس چینی پروفیسر نے چینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو مجھے حیرت ہوئی کہ سطریں اوپر سے نیچے کی طرف آتی ہیں۔ حیرت اُس وقت دُور ہوئی جب یہ سمجھ آیا کہ ہر اچھی بات اِلہامی ہوتی ہے اور الہام نازل ہوا کرتا ہے۔ معزز مہمان نے چینی زبان میں میری البم میں جو کچھ لکھا تھا اس کی قدر و قیمت مجھے بہت دنوں کے بعد معلوم ہوئی اور یہ بہت سے دن میں نے ایک تلاش میں صرف کیے ہیں۔

محمد ابراہیم شاکیوچِن تو دستخط کرنے اور چائے پینے کے بعد رخصت ہو گئے، وہ ایک طویل سفر پر نکلے ہوئے تھے اور ان کے دست خط کی بہ دولت میں بھی ایک طویل سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ میرا یہ سفر آج بھی جاری ہے۔ شروع میں یہ بات بڑی آسان لگی کہ کسی بڑے آدمی کے دستخط حاصل کیے جائیں۔ مگر جُوں ہی میں نے دوسرا ورق اُلٹا اور سوچنے لگا کہ اب کس کے آٹو گراف لیے جائیں تو بات ہاتھ سے نکل گئی۔ میں نے والدِ محترم سے رہ نمائی چاہی تو ہدایت ملی کہ آٹو گراف البم کے صفحات ہوں یا زندگی کا وَرَقِ سادہ، انھیں یوں ہی نہیں بھرنا چاہیے۔ جاؤ نگہِ انتخاب کو کام میں لاؤ، بڑے آدمی زندگی میں کم اور کتابوں میں زیادہ ملیں گے۔ ان سے تعارف کے لیے کارلائل سے مدد مانگو، ان سے ملاقات کے لیے پلوٹارک کے پاس جاؤ۔ ان کو سمجھنے کے لیے سعدی سے لے کر سیموئل سمائل تک سب کے دروازے پر دستک دو۔ راہ کا نشان اتنا واضح ملا تو سفر شروع ہو گیا۔ پہلی منزل نہ عظیم مصنف تھے، نہ ضخیم کتابیں۔ یہ سفر تو بچوں کی کہانیوں کی چھوٹی سی پگ ڈنڈی پر شروع ہوا۔ اسکول میں انعام تقسیم ہوئے تو ایک کتاب جس کا عنوان بہادر لڑکا تھا، میرے حصّے میں آئی۔ یہ ایک ولندیزی بچّے کی کہانی تھی جو سرما کی ایک شام سمندری پشتے پر جا رہا تھا کہ اس کی نظر ایک چھوٹے سے سوراخ پر پڑی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ گاؤں جا کر اُس کی خبر کرے گا تو اتنی دیر میں پانی کے زور سے پشتے میں شگاف ہو جائے گا اور پھر وہ ساری بستیاں اور وہ سارے کھیت جو سطحِ سمندر سے نیچے ہیں، غرق ہو جائیں گے۔ وہ اس سوراخ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ رات آئی تو وہ اسی حالت میں سو گیا۔ پہلے سردی اور پھر موت سے اس کا جسم اکڑ گیا مگر ننھا سا ہاتھ جُوں کا تُوں پشتے کے چھوٹے سے سوراخ پر رکھا رہا۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کا محسن ایک بہادر لڑکا ہے۔ میرے سفر کی یہ پہلی منزل تھی۔ اس کا نقش دوسری ساری منزلوں سے گہرا اور روشن ہے۔ یہ منزل

جرأت اور قربانی کی منزل تھی، اس کے بہت سے نام ہیں اور وہ نام جس سے اس کی ساری عظمتیں عیاں ہوتی ہیں، شہادت کہلاتا ہے۔

میں نے آٹو گراف البم کا وَرق الٹا اور وہ سادہ نکل آیا۔ اگلے دو چار وَرق بھی سادہ تھے۔ اس کے بعد کچھ اور دست خط ہیں اور ان کے بعد بہت سے ورق خالی ہیں۔ یہ البم میں نے چونتیس برس پہلے خریدی تھی اور اسے مسلسل استعمال کر رہا ہوں۔ اس کے باوجود اس کے نصف صفحات خالی ہیں۔ پچھلی تین دہائیوں میں سر کردہ افراد غول در غول ملے ہیں۔ انھیں بہت قریب سے دیکھا ہے مگر ابھی تک یہ البم نہیں بھری، یہ ماجرا کیا ہے؟

شیخ یوسف سبر یلی نے، جو ابنِ عربی کے مرشد تھے، ایک سیاہ بلّی پالی ہوئی تھی۔ شیخ کی صحبت میں یہ بلّی تزکیۂ باطن کی منزلیں طے کر گئی۔ وہ بے ہنر سے نفرت اور بے غرض سے الفت کرتی اور ان دونوں کو شناخت کر لیتی۔ اولیا ملنے آتے تو ادب سے بیٹھی رہتی، کوئی بے ذوق آنکلتا تو یہ اُٹھ کر چلی جاتی۔ میں نے بہتیرا چاہا کہ قلب میں کچھ خاصیت و خصلت اس سیاہ بلّی کی پیدا ہو جائے۔ اس کا رنگ تو آ گیا مگر اس کی مردم شناسی نہ آئی۔ کوشش البتہ جاری ہے اور اس کی نوعیت یہ ہے کہ میں نے جب بھی اپنی آٹو گراف البم کو استعمال کے لیے ساتھ رکھا، پہلے دل میں جھانکا، اگر بلّی اُٹھ کر چلی جائے تو میں البم کو جیب سے باہر نہیں نکالتا۔

(ماخوذاز: آوازِ دوست)

مشق

سوال ا: مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) مصنف نے قحط الرجال میں زندگی کو ارزاں کیوں کہا ہے؟

(ب) مہمان کی آمد سے مصنف کی مصروفیت دوسروں سے کیوں زیادہ بڑھ گئی؟

(ج) مصنف کے والد نے ان کو آٹو گراف البم کے صفحات کے بارے میں کیا ہدایت کی؟

(د) مصنف نے ولندیزی بچے کو اپنے کس سفر کی پہلی منزل قرار دیا ہے اور کیوں؟

(ہ) ولندیزی بچے کی کہانی سے کیا سبق ملتا ہے؟

(و) مصنف نے شیخ یوسف سبریلی کی بلّی کی کون سی خاصیت اپنانے کی کوشش کی اور کیوں؟

(ز) اس سبق میں آٹو گراف کا کیا مقصد بیان کیا گیا ہے؟

(ح) مردم شناسی سے کیا مراد ہے؟

سوال ۲: مندرجہ ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق و سباق کیجیے:

(الف) ''ہر اچھے آدمی کے گرد ایک ہالہ ہوتا ہے، اس کے نزدیک جائیں تو دل خود بہ خود منوّر ہو جاتا ہے۔''

(ب) ''وہ بے ہنر سے نفرت اور بے غرض سے الفت کرتی اور ان دونوں کو شناخت کر لیتی۔ اولیا ملنے آتے تو ادب سے بیٹھی رہتی، کوئی بے ذوق آنکلتا تو یہ اُٹھ کر چلی جاتی۔''

سوال ۳: مندرجہ ذیل الفاظ اور تراکیب اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ارزاں - مرگِ انبوہ - حشرات الارض - منوّر - الہام - نگہِ انتخاب - تزکیہ

سوال ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- قحط میں موت ہوتی ہے:

(الف) ارزاں (ب) وافر (ج) دُشوار (د) آسان

۲- البم کی قیمت تھی:

(الف) چار آنے (ب) چھے آنے (ج) آٹھ آنے (د) دس آنے

۳- مصنّف کے خیال میں ہر اچھی بات ہوتی ہے:

(الف) خیالی (ب) خُود کلامی (ج) تصوّراتی (د) الہامی

۴- لفظ "قحط الرجال" کا مطلب ہے:

(الف) افراد کی کمی (ب) قوم کی آبادی کی کمی

(ج) قوم میں پیشہ وروں کی کمی (د) قوم میں دانا لوگوں کی کمی

۵- مصنف کے نزدیک البم آج بھی بیش قیمت ہے:

(الف) مختلف رنگوں کی وجہ سے

(ب) کم قیمت میں ملنے کی وجہ سے

(ج) جلد پر لفظ "البم" سنہری چھپا ہونے کی وجہ سے

(د) عمدہ تحریروں کی وجہ سے

سوال ۵: ہمیں اس سبق سے کیا پیغام ملتا ہے؟

سوال ۶: اس سبق کی تلخیص کیجیے۔

مرکب جملوں کا صحیح استعمال:

دو مرکب جملوں کو اس طرح ایک ہی ساتھ لکھنا کہ حروفِ علامت یعنی کیوں کہ، بلکہ، البتہ، مگر، لہٰذا، و گرنہ، اس لیے یا چناں چہ جملوں کے مفہوم کو صحیح طور پر قائم رہ سکے۔ مثلاً: کتاب تو میرے پاس ہے مگر دوں گا نہیں۔ آپ سے تو مجھے کچھ کام نہیں البتہ آپ کے بھائی جان سے ملنا چاہتا ہوں۔

سوال ۷: آپ اس کتاب میں سے ایسے چند جملے تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ انفرادی یا گروہی سرگرمی کے طور پر اخبارات و جرائد کا مطالعہ کر کے اُن میں شائع شدہ خبروں، فیچروں، اداریوں، رپورٹوں، اشتہاروں اور خطوط کی نشان دہی کریں گے۔

۲- طلبہ روزمرّہ زندگی سے متعلق مختلف قسم کے فارم جمع کریں گے اور اُنھیں ساتھیوں کے مشورے یا معلم کی رہ نمائی میں پُر کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- اخبارات و جرائد کی زینت بننے والے لوازمے کی نوعیتوں میں موجود فرق سے طلبہ کو آگاہ کیجیے۔

۲- روزمرہ زندگی میں کام آنے والے مختلف قسم کے فارم حاصل کرنے، سمجھنے اور اُنھیں پُر کرنے میں طلبہ کی مدد کیجیے۔

☆☆☆☆☆☆

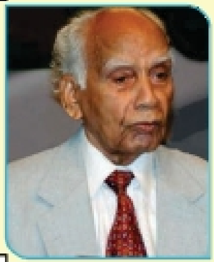

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

پیدائش: ۱۹۲۶ء

وفات: ۲۰۱۳ء

تصانیف: ادبیات و شخصیات، ہندی اردو تنازعہ، اقبال سب کے لیے، اردو کی نعتیہ شاعری، اردو کی منظوم داستانیں، اردو زبان و ادب

مُشاعَرہ

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- ادبی اور اصطلاحی محضر کے بارے میں اپنا ذاتی نقطۂ نظر پیش کر سکیں۔ ۲- مختلف فنی اور پیشہ ورانہ تحریروں کو سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ۳- مضمون لکھتے ہوئے متعلقہ یا ضروری نکات استدلال کے ساتھ پیش سکیں۔ ۴- عبارت میں فعل معاون کی نشان دہی کر سکیں۔ ۵- ادبی و علمی تحریریں پڑھ کر خود بھی اظہار و ابلاغ کے لیے استعمال کر سکیں۔

کئی افراد کا یک جا ہو کر شعر پڑھنا یا ایک دوسرے کو شعر سنانا، مشاعرہ کہلاتا ہے۔ یک فردی مشاعرے کو، جس میں صرف کسی ایک شاعر کو سنا جائے یا پڑھوایا جائے، بہ اعتبارِ معنی مشاعرہ کہنا مناسب نہ ہوگا۔ شعری نشست، شعری تقریب، تعارفی تقریبِ شعری، اعزازی نشست شعری وغیرہ کہنا بہتر ہوگا، لیکن ہمارے یہاں ہر قسم کی شعری تقریب یا نشست کو عموماً مشاعرہ ہی کہا جاتا ہے اور یہ بھی لفظ کا معنوی تصرّف ہے اور دُرست ہے۔

مشاعرے نے ذوقِ سخن کو سنوارنے اور مذاقِ سلیم کو اُستوار کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ شاعری یقیناً غور و فکر، علم و فضل اور مطالعہ و مشاہدہ سبھی کچھ چاہتی ہے۔ زبان کے اصول و قواعد اور عروض و قوافی کے ضابطوں سے آگاہی کا بھی وہ مطالبہ کرتی ہے، لیکن یہ چیزیں اسی وقت کار آمد و کارگر ہو سکتی ہیں جب کہ آدمی مذاقِ سلیم بھی رکھتا ہو۔ مذاقِ سلیم کتابوں کے مطالعے سے نہیں بلکہ شعر و ادب کے ماحول میں ایک مُدّت تک زندگی بسر کرنے اور ذہنی تربیت پانے سے میسر آتا ہے۔ چناں چہ شاعر ہونے کی اوّلین شرط یا ضمانت علمی قابلیت نہیں، خُوش مذاقی اور ذوقِ شعری کی پختگی و شائستگی ہے۔ اگر یہ چیزیں میسر ہوں تو پھر علم و فضل سونے پر سہاگے کا کام کرتے ہیں۔

مشاعرے کا رِواج ہمارے ہاں نیا نہیں، بہت پُرانا ہے اور اس نے سماجی و تہذیبی زندگی خوش گوار بنانے میں بہت مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ اس کے ذریعے سماج کے مختلف عقیدوں اور مختلف زاویۂ نظر کے لوگ ایک دوسرے سے قریب آئے ہیں۔ ان میں محبتوں اور رفاقتوں کے رشتے قائم ہوئے ہیں اور یہ رشتے باہم اعانت و استعانت کا وسیلہ بنے ہیں۔ یہی نہیں، مشاعروں نے شائستگی و تہذیب کا درس دینے کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ آدابِ مجلسی سے آشنائی اور آداب کو برتنے کا سلیقہ بھی بُہتوں کو مشاعروں نے سکھایا ہے۔ اس اعتبار سے مشاعرہ محض شعرستان یا شعر پڑھنے کی بیٹھک تک محدود نہیں رہا، بلکہ

اس نے ایک بڑی تہذیبی تربیت گاہ کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

مشاعرہ، فرشی نشست کا ہو یا غیر فرشی، اس میں شریک سارے شعرا اور سامعین کو اس کے آدابِ مجلسی کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ عام سماجی زندگی میں کسی شخص کو کتنا بھی بلند مقام یا مرتبہ کیوں نہ حاصل ہو، جب وہ مشاعرے کی محفل میں شریک ہوگا، اسے سارے ضابطوں کی پابندی کرنا ہوگی۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے گا تو بدذوق، غیر مہذب اور ناشائستہ کہلائے گا۔ یہ باتیں یوں ہی نہیں کہی جا رہی ہیں، مشاعرے کی تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ صرف ایک مثال دیکھتے چلیے، اب سے تقریباً تین سو سال پہلے کی بات ہے۔ اردو کے مشہور غزل گو شاعر، میرؔ و سوداؔ کے معاصر، خواجہ میر دردؔ کے یہاں ہر مہینے کی آخری تاریخوں میں ایک بزمِ مشاعرہ منعقد ہوتی تھی۔ اس میں امیر و غریب سبھی بہ شمول نوابین و شاہانِ وقت شریک ہوتے اور بہ قول محمد حسین آزادؔ، ''ان محفلوں میں باادب ہو کر بیٹھتے تھے''۔ ایک مشاعرے میں سلطنتِ مغلیہ کے چشم و چراغ شاہ عالم ثانی آفتاب بھی شریک تھے۔ مشاعرہ جاری تھا۔ شاہ عالم آفتاب ثانی نے پاؤں میں درد محسوس کیا، نتیجتاً انھیں قدرے پاؤں پھیلا کر بیٹھنا پڑا۔ خواجہ میر دردؔ نے اس اندازِ نشست پر ان کو ٹوکا۔ شاہ عالم نے پاؤں کے درد کا ذکر کرتے ہوئے معذرت چاہی۔ اس پر بھی خواجہ میر دردؔ نے کہا: ''جب پاؤں میں درد تھا تو مشاعرے میں شرکت کی کیا ضرورت تھی۔'' اس ایک واقعے سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مشاعروں نے ہماری تہذیبی اور ثقافتی زندگی کو کس طرح سے شائستہ و مہذّب بنایا ہے۔

شعری ادب کی تاریخ اور شعرا کے تعارف کے سلسلے میں بھی مشاعروں کی اہمیت مسلم ہے۔ ایک دو نہیں، سیکڑوں ایسے شعرا ہیں جو صرف مشاعروں کی معرفت جانے پہچانے جاتے ہیں اور ان کے اشعار مشاعرے میں مقبولیت کے حوالے سے بعد کو ضرب المثل بن گئے ہیں۔

لفظ ''مشاعرہ'' مروّج و مستعمل ہوا تو اس کے دوش بہ دوش اسی وزن کے اور کئی الفاظ بنا لیے گئے اور معنوی اعتبار سے مشاعرے کے مترادفات قرار پائے۔ ان لفظوں میں مُراختہ، مُسالمہ، مُناظمہ اور مُغازلہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

مشاعرے کو اس کی مصنوعی وُسعت، تخصیص، ہیئت و موضوعاتی حلقہ بندی کے لحاظ سے کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ جیسے نعتیہ مشاعرہ، حمدیہ مشاعرہ، رثائیہ مشاعرہ، طرحی مشاعرہ، غیر طرحی مشاعرہ، تمثیلی مشاعرہ، نجی مشاعرہ اور پبلک مشاعرہ۔ تمثیلی مشاعرہ ان مشاعروں کو کہا گیا، جن میں قدیم مشاعروں کی سج دھج اور کلاسیکی محفلِ شعر کی فضا میں، بعض مرحوم شعرا کی نمایندگی مختلف افراد سے کرائی جاتی ہے۔ اس قسم کا پہلا یادگار مشاعرہ مرزا فرحت اللہ بیگ کا مرتّب کردہ ''دہلی کی آخری شمع'' ہے۔ پھر اس کی تقلید میں تمثیلی مشاعرے کا رواج چل نکلا۔

البتہ طرحی مشاعرہ ان سب میں قدیم ترین ہے اور اس کی روایت کا سلسلہ حاتمؔ و مظہر جان جاناں کے وقت سے آج تک بڑے پیمانے پر نہ سہی، چھوٹے پیمانے پر سہی، برقرار ہے اور ان طرحی مشاعروں نے ذوقِ شعری، اصلاحِ سخن، لفظیاتی تنقید اور نو آموز شعرا کی حوصلہ افزائی اور زبان و بیان کی صحت و صفائی کے باب میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مشاعرے کا ثقافتی اِدارہ محض تفریحِ طبع کا مشغلہ نہیں، بلکہ شعر و سخن کی تحسین و تفہیم

اور نئے کہنے والوں کی تربیت و حوصلہ مندی کا ایک مؤثّر وسیلہ بھی رہا ہے۔ مشاعروں کی نجی محفلیں آج بھی کسی نہ کسی انداز سے اس کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اس میں خرابی دراصل اس وقت پیدا ہوئی جب پبلک مشاعروں کا رواج عام ہوا اور اس میں خُوش گوئی و خُوش فکری سے زیادہ ترنم و خُوش گلوئی کو دخل ہو گیا۔ اس خوش گلوئی نے پبلک مشاعروں کے سامعین کے لیے ایک چٹخارا پیدا کر دیا۔ داد دینے کے معیار بدل گئے۔ تحتُ اللفظ پڑھنے والے بڑے سے بڑے شاعر کو بے دلی سے سنا گیا اور ترنم سے پڑھنے والے بہت معمولی درجے کے مشاعر بلکہ تشاعر کو بھی سر پر اٹھایا گیا۔

پھر بھی یہ پبلک مشاعرے عام و خاص دونوں پر ایک خُوش گوار اثر چھوڑتے تھے اور ان کے سامعین مشاعروں کے بارے میں ایک اچھی رائے لے کر اُٹھتے تھے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے پبلک مشاعرے، اسکولوں، کالجوں، یونی ورسٹیوں اور دوسرے علمی و ادبی اداروں کی ہم نصابی سرگرمیوں اور بامقصد مشاغل کا ایک حصہ ہوا کرتے تھے۔ مشاعرے میں طلبہ، اساتذہ، شہر کے عمائدین، اہلِ علم و ادب اور سخن فہم حضرات بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔

میں نے اسی لیے مشاعرے کو ایک ثقافتی اور روایتی ادارہ قرار دیا ہے۔ روایتی اور ثقافتی اداروں کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی طرح ان کے منظر نامے سیاسی و سماجی عوامل کی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ چناں چہ شادی بیاہ اور منگنی کی رسومات و تقریبات سے لے کر میلاد شریف، مجلس مرثیہ خوانی، محفل سماع اور بزم نغمہ و سرور کے اب وہ آداب نہیں رہے جو آج سے پچاس سال پہلے تک پوری طرح موجود تھے۔ سب کا رنگ و آہنگ بدل گیا ہے۔ یہی صورت مشاعروں کی ہے کہ اب یہ شعر و ادب کی ترویج یا ذوقِ سلیم کی تربیت سے زیادہ معاشرت کی دوسری سیاسی و سماجی اغراض کو پورا کرتے ہیں۔ چناں چہ آج کل جو پبلک مشاعرے منعقد کیے جاتے ہیں، وہ ایک آدھ کو چھوڑ کر بالعموم اِشتہار کے ذریعے ایسی ہی اغراض کے حصول کے لیے کیے جاتے ہیں۔

اس اعتبار سے ان مشاعروں کی اِفادیت مُسلّم ہے۔ کشمیر کی آزادی کا مسئلہ ہو، فلسطینیوں کی جدوجہد کا سلسلہ ہو، قومی و صوبائی انتخابات کی مہم ہو، جنگ و امن کی یادگار منانے کی، کسی مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے تقریب ہو یا کسی زندہ شخصیت کو محترم و معزّز بنانے کی، کسی بڑے عشائیے کی معرفت اربابِ حلّ و عقد کے خوش کرنے کا مسئلہ ہو یا کسی ذاتی گھریلو تقریب کو ادبی رنگ دے کر خود کو مشتہر کرانے کا، اس طرح کے ہر کام کے لیے جتنا کار آمد و مقبول اس وقت مشاعرہ ہے، شاید کوئی دوسرا ثقافتی ادارہ نہیں ہے۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اس وقت ہندوستان، یُورپ، انگلستان، چین، کینیڈا، جاپان، آسٹریلیا، امریکہ، ماریشس اور عرب ممالک وغیرہ میں اُردو سے دل چسپی رکھنے والوں کی جو ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے، اس میں کسی باقاعدہ رسمی تعلیمی و تدریسی تحریک یا ادارے کا اتنا حصہ نہیں جتنا مشاعرے کا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ثقافتی ادارہ اُردو کے لیے پہلے بھی ایک قُوّت رہا اور آج بھی ہے۔

(ماخوذ از: اردو زبان و ادب کی افادیت)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) مشاعرے کے لیے کیا شرط ہوتی ہے؟

(ب) شاعری ایک شاعر سے کن کن چیزوں کا مطالبہ کرتی ہے؟

(ج) مشاعرے میں شریک شعرا اور سامعین کو کن چیزوں کی پابندی کرنا پڑتی ہے؟

(د) لفظ ''مشاعرہ'' کے مترادفات لکھیے۔

(ہ) طرحی مشاعرہ کن شعرا کی یادگار ہے؟

(و) مشاعروں کے انعقاد، اُن میں شرکت اور سماعت سے ہمیں کون کون سے انفرادی اور اجتماعی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں؟

سوال ۲: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق و سباق کیجیے:

(الف) ''مذاقِ سلیم کتابوں کے مطالعے سے نہیں بلکہ شعر و ادب کے ماحول میں ایک مدّت تک زندگی بسر کرنے اور ذہنی تربیت پانے سے میسر آتا ہے۔ چناں چہ شاعر ہونے کی اوّلین شرط یا ضمانت علمی قابلیت نہیں، خُوش مذاقی اور ذوقِ شعری کی پختگی و شائستگی ہے۔''

(ب) ''مشاعرے کا ثقافتی ادارہ محض تفریحِ طبع کا مشغلہ نہیں، بلکہ شعر و سخن کی تحسین و تفہیم اور نئے کہنے والوں کی تربیت و حوصلہ مندی کا ایک مؤثر وسیلہ بھی رہا ہے۔ مشاعروں کی نِجی محفلیں آج بھی کسی نہ کسی انداز سے اس کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔''

سوال ۳: مُدلل مضمون لکھیے: ''شاعری کے مطالعے سے زندگی کا شعور ملتا ہے۔''

سوال ۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ذوقِ سخن - مذاقِ سلیم - سونے پر سہاگا - شائستگی و تہذیب -
اربابِ حل و عقد - تحت اللفظ - ضرب المثل - تحسین و تفہیم

سوال ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- کئی افراد کا یک جا ہو کر شعر پڑھنا کہلاتا ہے:

(الف) مناظرہ (ب) مشاعرہ (ج) مقابلہ (د) ملاکھڑا

۲- مشاعرے کا رواج ہمارے ہاں ہے:

(الف) آزمودہ (ب) جاہلانہ (ج) معاصرانہ (د) پرانا

۳- خواجہ میر دؔرد کے مشاعرے میں شریک ہوئے تھے:

(الف) شاہ عالم ثانی آفتابؔ (ب) بہادر شاہ ظفرؔ

(ج) مرزا سلیم بہادر (د) مرزا شہ زور

۴- مشاعرے آج وجہ بن گئے ہیں:

(الف) پیشہ گری کی (ب) شہرت کی

(ج) ثقافتی وسعت کی (د) سیر و تفریح کی

۵- مشاعرہ اردو ادب میں اسی لیے اہم رہا ہے کہ:

(الف) شاعر عوام کو شعر سناتے ہیں (ب) ہر طرح کے مسائل پر بات ہو جاتی ہے

(ج) اربابِ حل و عقد خوش ہوتے ہیں (د) شعرا کی آمدنی ہو جاتی ہے

☆ ان کے اشعار مشاعرے میں مقبولیت کے حوالے سے بعد کو ضرب المثل بن گئے ہیں۔

☆ تمثیلی مشاعرے کا رواج چل نکلا۔

درج بالا دونوں جملوں میں "بن گئے ہیں" میں "گئے"، جانے کے معنوں میں نہیں ہے۔

رواج چل "نکلا"، اس جملے میں بھی چل کے بعد "نکلا"، نکلنے کے معنی میں نہیں بلکہ رواج قائم ہو گیا کے معنی میں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو لفظ کسی فعل کی مدد کرے یا معنی سمجھنے میں تعاون کرے تو ایسے لفظ کو فعلِ معاون کہتے ہیں۔

سوال ۶: آپ اس کتاب میں سے فعلِ معاون تلاش کر کے لکھیے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ انفرادی یا گروہی سرگرمی کے طور پر کسی مشاعرے میں شرکت کا تجربہ کریں گے۔

۲- مذکورہ تجربے کی روشنی میں طلبہ کمرۂ جماعت یا کالج میں بچوں کا مشاعرہ منعقد کریں گے۔

۳- طلبہ مختلف اخبارات و جرائد میں موجود کوئی فنی یا پیشہ ورانہ تحریر پڑھ کر اُس کے اہم نکات کمرۂ جماعت میں بیان کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کو ادبی، علمی اور پیشہ ورانہ تحریریں پڑھنے کی طرف راغب کیجیے۔

۲- طلبہ کو سمجھائیے کہ اپنے مطالعے سے حاصل شدہ نکات اپنی تحریر و تقریر کی زینت بنانا کیوں ضروری ہے۔

چراغ حسن حسرؔت

پیدائش: ۱۹۰۲ء

وفات: ۱۹۵۵ء

تصانیف: کشمیر، حسرت کا شمیری، سر گزشتِ اسلام، سرکارِ مدینہ، قائدِ اعظم، حرف و حکایت، مردم دیدہ

اَدب آموزوں کے نام

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- کسی منظر کی تفصیل ذوقِ جمالیات کے اعتبار سے بیان کر سکیں۔ ۲- روز مرہ زندگی میں اردو زبان کو اظہار و ابلاغ کے لیے استعمال کر سکیں۔ ۳- گفتگو یا عبارت سُن کر سنجیدہ/ مزاحیہ/ طنزیہ پہلوؤں کی تفہیم کر سکیں۔ ۴- روز مرّہ زندگی میں اُردو زبان کو اظہار و ابلاغ کے لیے استعمال کر سکیں۔

سعدؔی نے گلستاں میں لکھا ہے: ''لقمان را پُرسیدند ادب از کہ آموختی؛ گفت از بے ادباں''۔[1] پچھلے دنوں ایک کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کے سرورق پر ہماری نظریں جم کے رہ گئیں۔ کتاب کا نام ہے ''بے وقوفوں سے عقل سیکھو''۔ کتاب کے نام سے نظر پھسل کر مصنف کے نام پر پہنچتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے سوالوں کا جواب مل گیا۔

لقمان نے یہ تو کہہ دیا کہ میں نے ادب بے ادبوں سے سیکھا ہے، لیکن اپنے ''ادب آموزوں'' کے نام نہیں بتائے۔ اس کتاب میں یہ خامی نہیں کہ ''عقل سکھانے والے'' کا نام بھی بتادیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے نہ تو یہ کتاب پڑھی، نہ کبھی مصنف سے ملے اور اس طرح عقل سیکھنے کا ایک بہت اچھا موقع کھو دیا۔

اکبرؔ الٰہ آبادی کے کلام کی شہرت ہوئی تو ایک مولوی صاحب نے اخباروں میں چھپوا دیا کہ میں اکبرؔ کا اُستاد ہوں اور انھیں اس زمانے سے جانتا ہوں جب وہ اسکول میں پڑھتے تھے۔ لوگوں نے اکبرؔ سے اس سلسلے میں اِستفسار کیا تو انھوں نے جواب دیا: ''مدّت ہوئی ایک مولوی صاحب مجھے علم سکھاتے تھے اور میں انھیں عقل سکھاتا تھا۔ نہ مجھے علم آیا نہ انھیں عقل۔ یعنی ہم دونوں کو اپنی کوششوں میں سخت ناکامی ہوئی۔''

علم اور عقل ایسی چیزیں نہیں جن کا مول تول نہ کیا جاسکے۔ لوگوں نے عقل اور علم دونوں کا وزن بھی معلوم کر لیا ہے۔

---

[1] ترجمہ: لقمان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ادب کس سے سیکھا، لقمان نے جواب دیا: بے ادبوں سے۔

بلکہ علم اور عقل کا تناسب بھی بتا دیا ہے۔ مثلاً: فارسی کی مشہور ضرب المثل ہے کہ یک من علم رادِہ من عقل باید۔[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اور عقل دونوں ایسی چیزیں ہیں جو منوں کے حساب سے تُل کے بکتی ہیں۔

اور یہ جو ہم لوگ کہتے ہیں کہ عقل بڑی کہ بھینس تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ عقل بھینس سے بڑی ہے۔ عقل کا وزن معلوم ہو گیا۔ جسامت کی تعین ہو گئی تو باقی کیا رہا؟ ''تعلقاتِ عامہ'' کا محکمہ ''نیک نامی'' کے مول تول میں مصروف ہے۔ اگر اس کے بہ جائے ''عقل و علم'' کی ایک آدھ کھیپ منگوالی جاتی اور ایک من علم اور دس من عقل کے حساب سے تقسیم کر دی جاتی تو ہماری بہت سی مشکلیں حل ہو جاتیں۔ ''نیک نامی'' اچھی چیز ہے لیکن ان دنوں نیک نامی سے زیادہ عقل و علم کی ضرورت ہے۔

کسی گاؤں سے ایک شخص بستر خریدنے لاہور آیا۔ اِتفاق سے دُکان دار شاعر تھا اور مولانا سیمابؔ اکبر آبادی سے تلمذ توں اِصلاح لیتا رہا تھا۔ اس نے دو چار بستر بند دکھا کے کہا:

''چودھری صاحب ملاحظہ فرمایئے۔ اس بستر بند میں کتنی شعریت ہے؟''

چودھری صاحب نے فرمایا: ''ہمیں سیریت نہیں مجبوطی چاہیے۔''

تعلقاتِ عامہ کا محکمہ یوں ہی ''سیریت'' کے پھیر میں پڑا ہے۔ حال آں کہ ''سیریت'' کی ضرورت ہے نہ نیک نامی کی، بلکہ اسے صرف ''مجبوطی'' چاہیے۔

(ماخوذ از: حرف و حکایت)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) مذکورہ سبق میں شیخ سعدیؔ کی کون سی کتاب کا ذکر کیا گیا ہے اور کیوں؟

(ب) بے ادبوں سے ادب کیسے سیکھا جا سکتا ہے؟

(ج) مصنف نے نیک نامی سے زیادہ عقل و علم کو کیوں ضروری قرار دیا ہے؟

(د) اکبر الہ آبادی کی وجہِ شہرت کیا تھی؟ اور سبق میں کیا ذکر کیا گیا ہے؟

(ہ) عقل اور علم کے متعلق کوئی پانچ اقوال / محاورے تحریر کیجیے۔

سوال ۲: شیخ سعدیؔ کی مزید کسی کتاب کا نام تحریر کیجیے۔

سوال ۳: اکبرؔ الہ آبادی کی کوئی بھی ایک مشہور مزاحیہ نظم کا نام یا پانچ متفرق اشعار تلاش کر کے تحریر کیجیے۔

---

[۱] ترجمہ: ایک من علم کے لیے دس من عقل چاہیے۔

سوال ۴: اپنے ذوقِ جمالیات کی بنیاد پر کسی ایک منظر کی جزئیات بیان کیجیے۔

شہر میں آغازِ صبح کا منظر / کسی میلے کا منظر / برسات سے پہلے اور بعد کی صحرائی زندگی۔

سوال ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- مولوی صاحب نے اخباروں میں چھپوا دیا:

(الف) اشتہار (ب) کہانی (ج) لطیفہ (د) سپاس نامہ

۲- عقل بڑی ہے کہ:

(الف) بکری (ب) بھینس (ج) اونٹنی (د) چیونٹی

۳- مولانا سیمابؔ اکبر آبادی تھے:

(الف) صحافی (ب) مصنف (ج) شاعر (د) ڈاکٹر

۴- دکان دار کے بستر بند دکھاتے ہوئے لفظ شعریت استعمال کرنے کی وجہ تھی:

(الف) چودھری صاحب پر اپنی علمیت کا رعب جمانا (ب) مدتوں شعر کی اصلاح سے مشکل الفاظ کی عادت

(ج) تاکہ چودھری صاحب کوئی شعر سنانے کا مطالبہ کریں (د) شاعرانہ انداز میں گفتگو کرنے کی عادت

۵- ضرب المثل "یک من علم را ده من عقل باید" کا مطلب ہے:

(الف) علم اور عقل کو تولا جا سکتا ہے (ب) یہ دونوں چیزیں بازار میں دستیاب ہیں

(ج) علم کے مقابلے میں عقل کا وزن کم ہے (د) علم حاصل کرنے کے لیے عقل چاہیے

☆ کالم نگاری: کالم کے لغوی معنی قطار، کھمبا، ستون، مینار اور صفحے کا حصہ ہیں۔ اصطلاحی معنی میں کالم کسی مستقل عنوان کے تحت اخبار یا رسالے میں باقاعدہ تحریر کو کہتے ہیں جس کا انداز شگفتہ اور غیر رسمی ہوتا ہے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ کسی تحریر یا تقریر میں موجود سنجیدہ/ مزاحیہ طنزیہ پہلوؤں کی نشان دہی کریں گے۔

۲- طلبہ حاصلِ مطالعہ کے طور پر اپنی ڈائری میں سنجیدہ/ مزاحیہ اور طنزیہ اقوال اور جملے جمع کریں گے۔

۳- طلبہ کسی مقامی یا پاکستانی اخبار میں کسی مخصوص موضوع پر کالم لکھیں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کو ترغیب دیجیے کہ اپنی روز مرہ زندگی میں عمدہ اُردو الفاظ و محاورات اظہار و ابلاغ کے لیے استعمال کریں۔

۲- طلبہ کے ذوق کو فروغ دینے کے لیے "گلستان" اور "کلیات" اکبر آبادی سے کچھ شعر منتخب کر کے طلبہ کو سنائیے اور ان سے بھی تلاش کروائیے۔

منّو بھائی (منیر احمد قریشی)

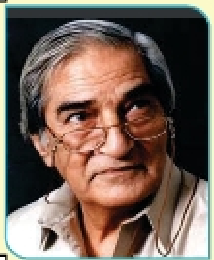

پیدائش: ۱۹۳۳ء

وفات: ۲۰۱۸ء

تصانیف: گریبان، جنگل اُداس ہے، فلسطین فلسطین

لاہور میں ادیبوں کی کالونی

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- بنیادی اسالیبِ بیان سے آگاہ ہو سکیں۔ ۲- کالج کے رسالوں/ مطبوعات/ ویب سائٹ وغیرہ میں ادبی نوعیت، جس میں اپنی اور دوسروں کی تحریروں کی ادارت واصلاح کے بعد ان کی اشاعت میں مدد کر سکیں۔ ۳- وعظ/ خطاب/ نصیحت/ احکام وغیرہ سُن کر خود احتسابی کے ذریعے اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی لا سکیں۔

لاہور میں ادیبوں کی کالونی کی تعمیر کا مسئلہ کچھ گڑبڑ ہو گیا۔ اب کے ٹاؤن پلانر نے ٹانگ اڑا دی ہے۔ اس سے میرے جیسے ادیبوں کو یقیناً دُکھ ہوا ہوگا جو محض ادیبوں کی کالونی میں مکان حاصل کرنے کے لیے ادیب بن بیٹھے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ ادیبوں کو ادب تخلیق کرنے کے علاوہ ادب بھی سننا پڑتا ہے۔ خاص طور پر ایسے ادیبوں کو جو خُود کچھ نہیں لکھتے، اپنے آپ کو ادیب ثابت کرنے کے لیے ادب میں دل چسپی لینی پڑتی ہے یعنی ادیبوں کی محفلوں میں بیٹھنا پڑتا ہے، ان کے مضامین نظم و نثر سننا پڑتے ہیں اور جہاں کہیں موقع ملے اپنی رائے کا اظہار بھی کرنا پڑتا ہے۔

ادیبوں کی کالونی میں مکان حاصل کرنے کے لالچ میں مَیں نے درخواست تو دے دی مگر یہ فکر ہمیشہ دامن گیر رہی کہ بہ فرضِ محال یہ کالونی بن گئی اور اس کالونی میں مجھے بھی کوئی مکان مل گیا تو پھر اس میں مجھے رہنا بھی پڑے گا۔ اس کالونی میں رہنے کی صورت میں جو مسائل پیش آ سکتے ہیں، ان کا مجھے درخواست دیتے وقت احساس نہیں ہوا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جب باون ادیب ایک حلقۂ اربابِ ذوق میں نہیں رہ سکتے تو سوڈیڑھ سو یا دو ڈھائی سو ادیب ایک کالونی میں کیسے رہ سکیں گے؟ اگر دو حلقوں کی بدعت ادیبوں کی کالونی میں بھی چلی گئی تو یہ کالونی برلن بن جائے گی۔ کالونی کا ایک حِصّہ ''ادبی'' اور دوسرا ''سیاسی'' کہلانے لگے گا۔ ایک حصّے کا نام سہیل آباد یا انتظار نگر ہو سکتا ہے اور دوسرا شہزاد پور یا اللّٰہ ویورہ کہلا سکتا ہے۔

اب تو دونوں حلقے ہفتے میں ایک بار حلقہ لگاتے ہیں چناں چہ ہفتے کے باقی دنوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھ سکتے ہیں لیکن جہاں روز کے آمنے سامنے کا اندیشہ ہوگا، وہاں تو کالونی کے ادبی زون اور سیاسی زون کے درمیان دیوارِ برلن قسم کی

کوئی دیوار بنانی پڑے گی اور اصل مشکل اس وقت پیش آئے گی جب اس کالونی کے معمار شہر کے وسط میں اپنا مجسمہ کھڑا کرنے پر اصرار کریں گے۔ خطرہ یہ ہے کہ شہر کے وسط میں ہونے کی وجہ سے یہ مجسمہ دیوار میں چُن دیا جائے گا۔

معمارِ شہر کا مجسمہ نصب کرنے پر بھی ہنگامہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ کیوں کہ اگر اس کالونی کے معمار کا مجسمہ نصب کرنے پر اصرار کیا گیا تو ''مفکرِ کالونی'' کا مجسمہ نصب کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر منیرؔ نیازی اس کے لیے تیار نہ ہوئے تو پھر معمارِ کالونی کا مجسمہ بھی نصب نہیں ہو سکے گا اور کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔

دوسری بڑی مصیبت اس کالونی میں یہ ہوگی کہ افسانے، شعر سنانے والوں کی بہتات ہوگی۔ مگر سُننے والوں کی شدید قلّت ہوگی۔ اگر کسی شاعر سے رات کے دو بجے شعر ہوگیا تو وہ پوری گلی کے ادیبوں کے دروازے کھٹکھٹاتا پھرے گا۔ اس خرابی سے بچنے کے لیے اس کالونی کی ''بلدیہ'' کو کچھ قواعد وضوابط وضع کرنے پڑیں گے۔ مثال کے طور پر یہ پابندی لگانی پڑے گی کہ شعر سنانے کے لیے سوتوں کو نہیں جگایا جائے گا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ کالونی شام کے سات بجے ہی خرّاٹوں کی لپیٹ میں آجائے گی۔ شاعروں کو رات کے وقت شعر سنانے اور افسانہ نگاروں کو شہریوں کی نیندیں حرام کرنے سے بچانے کے لیے رات کو گلیوں میں پہرے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ پہرے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مُسَوَّدے چوری نہیں ہوں گے، خیالات کا سرقہ نہیں ہوگا۔

کالونی کی کونسل امنِ عامہ کے مفاد کے تحت کالونی میں نظم ونثر سنانے پر پابندی بھی عائد کرسکتی ہے۔ اس مقصد کے لیے شہر سے باہر کوئی جگہ مخصوص کی جاسکتی ہے۔ غلام عباس کی ''آنندی'' کی طرح یہ مخصوص جگہ ایک نئی کالونی میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ ''آنندی'' میں جب ''اربابِ نشاط'' کو شہر سے باہر نکالا گیا تھا ''اربابِ نشاط'' کے بعد سب سے پہلے پان سگرٹ والا پہنچا تھا۔ ''اربابِ ذوق'' یا ''اربابِ ادب'' کو ادیبوں کی کالونی سے باہر نکالا گیا تو نئی جگہ پر سب سے پہلے ''اسپرو'' اور ''کوڈو پائرین'' بیچنے والا جائے گا۔ اس کے بعد مرہم پٹّی کرنے والا، اس کے بعد اسٹیشنری کا سامان فروخت کرنے والا۔

شہزاد احمد کا کہنا ہے کہ ادیبوں کی کالونی میں عورتوں کی لڑائیاں بڑی دل چسپ ہوں گی۔ ایک عورت دوسری عورت کو طعنہ دے گی: ''تم مجھ سے کیا بات کرتی ہو۔ تمھارے خاوند نے تو گزشتہ پانچ سال سے ایک شعر بھی نہیں لکھا'' اور دوسری عورت جوابی طعنہ دے گی: ''تمھارا خاوند تو فلمی شاعر ہے، جذبات کے تحت نہیں طبلے کے ماتحت شعر کہتا ہے۔''

(ماخوذ از: گریبان)

مشق

سوال ۱: درج ذیل ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ادیبوں کی کالونی کس شہر میں تعمیر ہونا تھی؟

(ب) کالونی کی تعمیر میں کس نے رُکاوٹ ڈالی تھی؟

(ج) جو ادیب نہ ہوں انھیں اپنے آپ کو ادیب ثابت کرنے کے لیے کیا جتن کرنا پڑتے ہیں؟

(د) کالونی کے ادبی زون اور سیاسی زون سے کیا مراد ہے؟

(ہ) ''معمارِ شہر'' اور ''مفکرِ کالونی'' کے مجسموں کو نصب کرنے پر کن کن اندیشوں کا اظہار کیا گیا ہے؟

(و) ادیبوں کی کالونی میں عورتوں کی لڑائیاں کیوں دل چسپ ہوں گی؟

(ز) کالم نگار کے خیال میں ادیبوں کی کالونی میں کون کون سے مسائل پیش آسکتے ہیں؟

(ح) اس کالونی میں کون سی دوسری بڑی مصیبت کا ذکر کیا گیا ہے؟

سوال ۲: اس سبق کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- اپنے آپ کو ادیب ثابت کرنے کے لیے دل چسپی لینی پڑتی ہے:

(الف) شاعری میں (ب) ادب میں (ج) مشاعرے میں (د) محفلوں میں

۲- کالونی کا ایک حصہ ''ادبی'' اور دوسرا کہلانے لگے گا:

(الف) علمی (ب) فنی (ج) سیاسی (د) غیر سیاسی

۳- شعر سنانے والوں کی ہوگی:

(الف) بہتات (ب) کمی (ج) کثرت (د) بھیڑ

۴- "ٹانگ اڑانا" ہے:

(الف) روزمرہ (ب) محاورہ (ج) کہاوت (د) ضرب المثل

۵- "یہ کالونی برلن بن جائے گی" اس جملے میں اشارہ ہے:

(الف) جرمنی کے ایک شہر کا (ب) ایک جدید شہر بن جانے کا

(ج) صفائی ستھرائی کی طرف (د) لوگوں میں ذہنی اختلاف پیدا کرنے کا

سوال۴: درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے:

(الف) ''اگر دو حلقوں کی بِدعت ادیبوں کی کالونی میں بھی چلی گئی تو یہ کالونی برلن بن جائے گی۔''

(ب) ''معمارِ شہر کا مجسمہ نصب کرنے پر بھی ہنگامہ ہونے کا اندیشہ ہے۔''

سوال۵: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

تخلیق – دامن گیر – محال – بہتات – قِلّت – قواعد و ضوابط – وضع

وقفہ (SEMICOLON) (؛)

ان جملوں کو غور سے پڑھیے:

- جو جاگے گا، سو پائے گا؛ باادب، بانصیب؛ بےادب، بےنصیب
- سچائی، خلوص، ایمان داری؛ یہ سب چیزیں تقریباً ختم ہو گئی ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ اوپر لکھے ہوئے جملوں میں آخری جملے پر زور دیا گیا ہے۔
اس طرح زور دینے والی عبارت سے پہلے وقفہ (؛) استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے جو نشانی یا علامت لگائی گئی ہے، اسے ''وقفہ'' کہتے ہیں۔

سوال۶: آپ چند جملے ایسے لکھیے جن میں "وقفہ" کی علامت (؛) کا استعمال کیا گیا ہو۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ پُرانے اخبارات یا ویب سائٹ سے ادبی کالم منتخب کر کے کمرۂ جماعت میں سُنائیں گے۔
۲- طلبہ پڑھے گئے ادبی کالم پر اپنی رائے پیش کریں گے۔
۳- طلبہ اپنی پسند کے عنوان پر مضمون تحریر کریں گے جس میں حسبِ موقع اشعار بھی درج کیے جائیں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے اور حسبِ ضرورت رہ نمائی کیجیے۔
۲- مضمون نگاری اور کالم نگاری کے سلسلے میں طلبہ کی حوصلہ افزائی کیجیے اور موضوع کی مناسبت سے اشعار کی فراہمی میں مدد کیجیے۔
۳- طلبہ میں خود احتسابی کی عادت پیدا کرنے کے لیے ماہانہ کسی بڑے عالم یا دانش ور کو کالج میں بلا کر کسی اخلاقی یا مذہبی موضوع پر خطاب کروایئے۔

وزیر آغا

پیدائش: ۱۹۲۲ء

وفات: ۲۰۱۰ء

تصانیف: غالب کا ذوقِ تماشا، انشائیہ کے خدوخال، شام اور سائے، دوسرا کنارا

میرا البم

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ : ۱- کسی روزنامے یا ہفت روزہ رسالے یا میگزین میں شایع کرنے کے لیے مضمون لکھ سکیں۔ ۲- عبارت میں متعلق فعل کی شناخت کر سکیں۔ ۳- کسی مشہور و معروف ادبی یا سماجی شخصیت کے واقعات و تجربات اور مشاہدات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے انٹرویو کر سکیں۔

بے ترتیبی پھیلانا ہمارا قومی مشغلہ ہے، لیکن کبھی کبھی جب ہم بے ترتیبی پھیلاتے پھیلاتے بوریت سی محسوس کرنے لگتے ہیں تو منھ کا مزہ بدلنے کے لیے ترتیب اور قرینے کی مہم شروع کر دیتے ہیں۔ یہ گویا ایک طرح کا ذہنی ضابطہ ہے۔ ایک ایسے ہی ذہنی ضابطے کے تحت میں نے اپنے پُرانے کاغذات کی "صفائی" اور ترتیب کا ارادہ کیا اور ہر قسم کی بیرونی مداخلت سے بچنے کے لیے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔ پھر میں کاغذات کے ان ڈھیروں سے نبرد آزما ہو گیا جو پچھلے کئی برس سے آہستہ آہستہ فَربہی کی طرف مائل ہوتے رہے تھے۔ اب اچھے خاصے کاغذی پہاڑ بن چکے تھے۔ ان ڈھیروں میں کیا کچھ نہ تھا۔ اخباروں کے تراشے، تقاریب کے دعوت نامے، دوستوں کے خطوط، ادھوری نظمیں، نامکمل مضامین کے مُسَوّدے، ہوٹلوں کے بِل، رسیدیں اور نہ جانے کیا کیا کچھ۔

میں سوچنے لگا آخر میں نے یہ "سب کچھ" کیوں اکٹھا کر رکھا ہے کہ اب میرے لیے اس جنگل میں راستہ تلاش کرنا بھی ممکن نہیں رہا۔ مگر پھر مجھے خیال آیا کہ ان میں سے ہر چیز اپنے زمانے میں ضرور اہم ہو گی، ورنہ میں اس سے بہ آسانی پیچھا چھڑا چکا ہوتا۔ یا ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ انسان کی ذات میں چھپا ہوا طفلِ مادّہ پرست اُسے اشیا جمع کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور پھر ایک روز یہ جمع شدہ اثاثہ وزنی ہو جاتا ہے کہ اس کے بوجھ تلے اس کا اپنا سانس بھی رُکنے لگتا ہے۔ بس جب بوجھ اتنا بڑھ جائے کہ سانس لینا بھی دشوار نظر آئے تو یہ مناسب ترین وقت ہے کہ فی الفور کوئی ذہنی ضابطہ نافذ کر کے خود کو سُبک سار کرنے کی مساعی کا آغاز کر دیا جائے۔

مگر تجربہ شاہد ہے کہ خود کو سبک سار کرنے کی یہ مہم اپنے ابتدائی فروش کے بعد بڑی تیزی سے کم زور پڑنے لگتی ہے اور پھر

کسی ایک مقام پر رُک کر اپنی ساری منصوبہ بندی سے قطع تعلق کر لیتی ہے۔ یہ مہم ایک طرح کی سمندری موج ہے جو اپنی اوّلین یلغار میں سطحِ سمندر پر پھیلی ہوئی اَن گنت بد نما سلوٹوں پر پانی تو پھیرتی ہے مگر جب اس کے بعد رُکتی ہے تو سمندر کی سطح پر پہلے سے بھی زیادہ سلوٹیں نمودار ہو جاتی ہیں۔ میرے معاملے میں یہ ہوا کہ کاغذات کو اُلٹتے پلٹتے، گرد و غبار میں راستہ بناتے اور بعض دیمک زدہ مسوّدات کو الگ کرتے ہوئے مجھے اچانک ایک نہایت بد وضع اور کرم خوردہ سا پیکٹ دکھائی دیا اور میں لحظہ بھر کے لیے رُک گیا۔ اس وقت مجھے اس بات کا گمان بھی نہیں تھا کہ میرا یہ رُکنا مستقل نوعیت کا ہو گا اور میں کچھ اس طرح کھو جاؤں گا کہ میرے ذہن سے صفائی کا جِن ہی رُخصت ہو جائے گا۔ یہ پیکٹ دراصل میرا ایک بہت پرانا البم تھا جو آج سے کئی برس پہلے گم ہوا اور پھر تلاشِ بسیار کے باوجود ہاتھ نہ آ سکا اور اب کہ میں اس کی ضرورت، بل کہ وجود تک سے بے نیاز ہو چکا تھا، وہ ایک بھولی بسری یاد کی طرح وقت کی شاخ سے ٹُوٹا اور میری پھیلی ہوئی جھولی میں آن گرا۔

میں نے البم پر سے گرد جھاڑنے کے لیے اسے ہلکی سی تھپکی دی اور پھر اس کے پُھولے ہوئے چمڑے کی جلد کو ایک طرف سے اُوپر اٹھایا۔ تب اچانک البم کے پہلے ہی صفحے پر مجھے ایک چمکتی ہوئی تصویر دکھائی دی۔ پہلی نظر میں تو میں ان صاحب کو پہچان بھی نہ سکا جو سر پر سیاہ بالوں کا ایک گھنا جنگل اٹھائے، ایک کالی عبا زیب تن کیے، اپنے سیدھے ہاتھ کے پنجے میں ایک لمبی اور گول سی کاغذ کی نلکی مضبوطی سے پکڑے، فوٹو گرافر کے حکم کی تعمیل میں اپنے سُوکھے ہوئے ہونٹوں پر ایک بھیگی سی خفّت آمیز مسکراہٹ سجائے کھڑے تھے۔ مگر پھر دوسرے ہی لمحے میں نے ان صاحب کو پہچان لیا، کیوں کہ یہ میری اپنی تصویر تھی۔ اُس روز آج سے تقریباً چالیس سال اُدھر مجھے ایم-اے کی سند ملی تھی اور میں بھاگم بھاگ انار کلی کے ایک فوٹو گرافر کے اسٹوڈیو میں جا پہنچا تھا۔ میں سوچنے لگا، نہ جانے وہ فوٹو گرافر اب زندہ بھی ہے یا نہیں اور وہ کرائے کی کالی عبا اب تک ضرور تار تار ہو چکی ہو گی اور وہ ایم-اے کی حسین سند؟ کہاں ہے وہ سند؟ ان کاغذوں کے انبار میں دیمک کے متعدد اور مسلسل حملے سہنے کے بعد اپنے مسخ شدہ چہرے کو چھپائے کہیں نہ کہیں ضرور دُبکی پڑی ہو گی۔ شاید کسی روز البم کی طرح وہ بھی دکھائی دے جائے۔

میں چند صفحے آگے بڑھا تو مجھے ایک مدھم سی تصویر دکھائی دی جو کسی سستے کیمرے اور اناڑی فوٹو گرافر کی چُغلی کھا رہی تھی۔ تصویر ایک پہاڑی علاقے کی تھی۔ پس منظر میں چیڑ کے درختوں سے لدا ہوا ایک پہاڑ کھڑا تھا اور پہاڑ کے قدموں میں ایک کائی زدہ چٹان پر پھولے ہوئے گالوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں والے دو لڑکے بیٹھے تھے۔ ان میں ایک شمس تھا اور دوسرا میں۔ پھر مجھے یاد آیا کہ اس روز میں شمس کے دادا جان کی پہاڑی اِقامت گاہ پر انھیں سلام کرنے گیا تھا اور انھوں نے اپنے چار پانچ پوتوں کی قطار میں مجھے ایک قابلِ عزّت مقام پر بٹھا کر گھنٹہ بھر اخلاقیات پر لیکچر دیا تھا اور جب ہماری حالت غیر ہونے لگی تھی تو ازراہِ کرم اپنی آستین سے ایک چِتکبرا کیلا نکال کر ہم میں تقسیم کر دیا تھا۔ شمس کے دادا جان ایک نہایت کنجوس مگر بڑے ہی شفیق اور انصاف پسند بزرگ تھے۔ اس روز بھی انھوں نے اس اکلوتے کیلے کو تقسیم کرنے سے پہلے اس پر پنسل سے نشانات لگائے تھے، تاکہ ہم میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہو اور پھر کیلے کو گنڈیریوں کی طرح کاٹ کر ہم میں تقسیم کر دیا تھا۔ پھر

جب ہمیں چھٹی ملی تھی تو ہم دادا جان کے کمرے سے آزاد کیے گئے قیدیوں کی طرح دیوانہ وار نکلے تھے اور پہاڑی بکروں کی طرح قُلانچیں بھرتے ہوئے چٹانوں پر چڑھ گئے تھے۔ یہ تصویر اسی جشنِ آزادی کے موقعے پر ہمارے کسی ہم عمر نے اتاری تھی۔ وہ ہم عمر کون تھا؟ کچھ یاد نہیں۔

البم کے اگلے صفحے پر مجھے ایک ایسی تصویر دکھائی دی کہ ایک پُورا دور ہُمک کر میری گود میں آ گرا۔ اس تصویر میں میری والدہ پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ سامنے کھانے کا ٹرے رکھا تھا۔ ان کے ایک ہاتھ میں لقمہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں پنکھا۔ پاس ہی میرے بڑے بھائی جان بیٹھے تھے۔ نہ جانے انھوں نے کیا بات کہی کہ والدہ بے اختیار ہنس پڑیں۔ عین اُس وقت میں نے اپنے کیمرے کا رُخ ان کی طرف کیا اور اس درخشاں لمحے کو کاغذ پر منتقل کر لیا۔ میری والدہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور بڑے بھائی جان بھی رُخصت ہو چکے، مگر یہ ہنستا ہوا منوّر لمحہ بہ دستور زندہ ہے۔ ایک مدّت کے بعد میں نے اپنے کھوئے ہوئے البم میں اس لمحے کو پہلی سی تابانی کے ساتھ ہنستے ہوئے دیکھا تو خود بھی کِھل اُٹھا، جیسے کوئی بہت بڑا انعام مل گیا ہو۔

میں البم کے گہرے غار میں اترتا چلا گیا۔ اس غار کے ہر موڑ پر مجھے کوئی نہ کوئی لمحہ دست بستہ کھڑا ملا۔ بعض لمحے جو نو وارِد تھے، بڑی آسانی سے یاد کی گرفت میں آ گئے لیکن بعض لمحے ایسے بھی تھے جو یادداشت کی سرحد پار کر چکے تھے اور اب منّت سماجت پر بھی واپس آنے کو تیار نہ تھے۔ یوں بھی زمانے کی مرطوب ہوا نے ان پر سبز کائی کا ایک غلاف کچھ اس طور چڑھا دیا تھا اور ان کے خدّوخال تک ماند پڑ گئے تھے کہ اب ان سے وابستہ کوئی ایک یاد بھی باقی نہیں تھی۔ اگر میرے البم میں صرف اسی ایک قسم کے متحجرات ہوتے تو میں فی الفور اسے دوبارہ ردّی کے انبار پر پھینک دیتا مگر اس میں تو درجنوں تصاویر ایسی بھی تھیں جو نظر کے ہلکے سے لمس پر باقاعدہ دھڑکنے اور سانس لینے لگتیں اور ان سے منسلک ایک پورا عہد انگڑائی لے کر بے دار ہو جاتا۔ شاید البم کی سب سے بڑی خُوبی بھی یہی ہے کہ وہ اپنے دامن میں زندہ اور متحرّک لمحوں کی ایک پوری کھیپ چھپائے ہوتا ہے۔ اگر البم کی تصویریں یاد کے نُورانی حلقوں سے محروم ہو جائیں اور ان سے وابستہ، چمکتے ہوئے لمحات بجھ جائیں تو البم، البم نہیں رہتا، تصویروں کا مُردہ خانہ بن جاتا ہے۔ البم تو البم والے کی شخصی جائداد ہے لیکن ایک ایسی جائداد جسے کوئی اور اپنے تصرّف میں لا ہی نہیں سکتا۔

روشنی ماند پڑنے لگی تھی۔ میں نے اپنے "یوسفِ گُم گشتہ" کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور پھر بڑی محنت سے الگ کیے ہوئے مسوّدات کو دیمک زدہ کاغذی پہاڑوں پر جگہ جگہ ڈھیر کر دیا۔ اب کمرے کا انتشار پہلے سے بھی کئی گنا نظر آ رہا تھا۔ فضا میں گرد کے لاکھوں ذرّات اُڑ رہے تھے اور میرا سانس رکنے لگا تھا۔ مگر میرا البم میری جیب کے اندر ضیا پاش تھا اور خُوشی میری آنکھوں سے پُھوٹ رہی تھی۔

(ماخوذ از: دوسرا کنارا)

مشق

سوال ا: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) مصنف کو کاغذات کے ڈھیر میں سے کیا کیا ملا؟

(ب) البم کے پہلے صفحے پر کس کی تصویر دکھائی دی اور یہ تصویر کس موقعے پر بنوائی گئی تھی؟

(ج) والدہ کی تصویر دیکھ کر مصنف نے کن تاثرات کا اظہار کیا ہے؟

(د) انشائیہ نگار نے البم کو "یوسفِ گم گشتہ" کیوں کہا؟

(ہ) انشائیہ نگار کے خیال میں البم کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

(و) انسان اپنے ماضی کو اس قدر عزیز کیوں رکھتا ہے؟

سوال ۲: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق وسباق کیجیے:

(الف) "یہ مہم ایک طرح کی سمندری موج ہے جو اپنی اوّلین یلغار میں سطحِ سمندر پر پھیلی ہوئی اَن گنت بدنما سلوٹوں پر پانی تو پھیرتی ہے مگر جب اس کے بعد رُکتی ہے تو سمندر کی سطح پر پہلے سے بھی زیادہ سلوٹیں نمودار ہو جاتی ہیں۔"

(ب) "انسان کی ذات میں چھپا ہوا طفلِ مادّہ پرست اُسے اشیا جمع کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور پھر ایک روز یہ جمع شدہ اثاثہ وزنی ہو جاتا ہے کہ اس کے بوجھ تلے اس کا اپنا سانس بھی رُکنے لگتا ہے۔"

(ج) "بعض لمحے ایسے بھی تھے جو یادداشت کی سرحد پار کر چکے تھے اور اب منّت سماجت پر بھی واپس آنے کو تیار نہ تھے۔ یوں بھی زمانے کی مرطوب ہوا نے ان پر سبز کائی کا ایک غلاف کچھ اس طور چڑھا دیا تھا اور ان کے خدّ و خال تک ماند پڑ گئے تھے۔"

سوال ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- تلاشِ بسیار کے باوجود ہاتھ نہ آسکا:

(الف) خط (ب) البم (ج) دعوت نامہ (د) اخبار

۲- میں کاغذات کے ان ڈھیروں سے ہو گیا:

(الف) نبرد آزما (ب) دست آزما (ج) تیغ آزما (د) جرأت آزما

۳- تصویر میں والدہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے تھے:

(الف) ابّو جان (ب) بھائی جان (ج) تایا جان (د) دادا جان

۴- اس سبق میں "یہ تصویر اسی جشنِ آزادی کے موقعے پر..... اتاری تھی" سے مراد ہے:

(الف) انگریز کی غلامی سے آزادی ملنے کا دن (ب) ۲۳ مارچ کا دن

(ج) ۱۴ اگست کا دن (د) دادا جان کے کمرے سے باہر نکلنے کی خوشی کا دن

۵- سبق میں "البم کے گہرے غار میں اترتا چلا گیا" کا مطلب ہے:

(الف) البم میں گہرے غار کی تصویر کو دیکھتا رہا

(ب) البم میں موجود اپنی پرانی تصویروں کے واقعات میں گم ہو گیا

(ج) البم کے بوسیدہ اوراق کو دیکھتا رہا

(د) البم میں بارش یا دیمک کی وجہ سے پڑنے والے سوراخوں کو دیکھتا رہا

سوال ۴: دیے گئے الفاظ و تراکیب کے معنی لکھتے ہوئے انھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

یادداشت - ضابطہ - بدوضع - مساعی - زیب تن - اقامت گاہ - ضیاپاش

☆ ان ڈھیروں میں کیا کچھ نہ تھا۔ اخباروں کے تراشے، تقاریب کے دعوت نامے، دوستوں کے خطوط، ادھوری نظمیں، نامکمل مضامین کے مُسَوّدے، ہوٹلوں کے بِل، رسیدیں اور نہ جانے کیا کیا کچھ۔

درج بالا جملوں میں سکتہ (،) اور ختمہ (۔) کی علامت استعمال کی گئی ہے۔ کسی ایک لفظ یا فقرے کے بعد تھوڑا سا ٹھہرنے کے لیے جو علامت استعمال کی جاتی ہے، اسے سکتہ (،) کہتے ہیں۔ جملے کے ختم ہونے پر جو علامت استعمال کی جاتی ہے اسے ختمہ (۔) کہتے ہیں۔

سوال ۵: پانچ جملے لکھیے جن میں سکتہ اور ختمہ کی علامت استعمال کی گئی ہو۔

☆ انشائیہ: کسی موضوع پر شخصی اور انفرادی طرز کے تحریری اظہار کو انشائیہ کہتے ہیں۔ انشائیے میں واقعات سے زیادہ تاثرات اہمیت رکھتے ہیں۔ صنف کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں بلکہ موضوع کے انوکھے پہلو سامنے لائے جاتے ہیں۔ انشائیہ کا حسن اسی انوکھے پہلو میں ہے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ اپنے شہر کی کسی شخصیت کا انٹرویو کریں گے۔

۲- ہر طالبِ علم انٹرویو سے جمع کی گئی معلومات کی بنیاد پر متعلقہ شخصیت پر مضمون/ خاکہ تحریر کرے گا۔

۳- طلبہ اپنی دل چسپی کے کسی موضوع پر اخبار/ رسالے/ میگزین کے لیے مضمون لکھیں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کو انٹرویو کرنے کے لیے ذہنی اور عملی طور پر تیار کیجیے۔

۲- طلبہ کو انٹرویو کی افادیت اور اہمیت سے آگاہ کیجیے۔

۳- طلبہ کو علمی/ ادبی موضوعات پر غور و فکر کرنے اور اپنے خیالات قلم بند کرنے کی ترغیب دیجیے۔

فضل احمد کریم فضلی

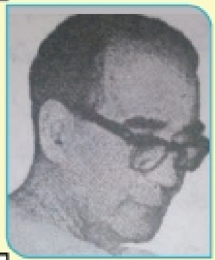

پیدائش: ۱۹۰۶ء

وفات: ۱۹۸۱ء

تصانیف: چشمِ غزال، نغمۂ زندگی، سحر ہونے تک، خونِ جگر ہونے تک

سحر ہونے تک

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- نثر پارے کو اُس کے اجزا، خصوصیات، اصطلاحات اور تصوّرات کے حوالے سے سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ۲- حالاتِ حاضرہ سے متعلق معاشی اور سیاسی مسائل پر اپنی رائے تحریر کر سکیں۔ ۳- سن کر بات/ کہانی/ مکالمے کو دُہراتے ہوئے اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں بیان کر سکیں۔ ۴- ادبی شخصیات کے لیکچروں میں شریک ہو کر چیدہ چیدہ نکات ڈائری میں نوٹ کر سکیں۔ ۵- اصطلاحی، فنی اور پیشہ ورانہ لغات کا استعمال سیکھ سکیں۔

آج کلکتہ رنگ و نُور میں ڈُوبا ہوا تھا۔ رنگ نہ محض رنگ بہ رنگ کی جھنڈیوں اور پُھولوں کا جن سے کُوچہ و بازار سجے تھے، بلکہ مرد عورتوں کے لباس کا بھی۔ نُور نہ محض دُھلی دُھلائی فضا سے سُورج کی کِرنوں کی صورت میں آسمان سے برس رہا تھا، بلکہ مسلمانوں کے دلوں سے بھی اُمنڈ کر ان کے چہروں سے چمک رہا تھا۔ جس طرح بنگال کی فضا پر سبزے کی بہتات کی وجہ سے سبز رنگ کا غلبہ تھا، اسی طرح آج کی رنگا رنگی پر بھی سبز رنگ ہی غالب تھا۔ ہر طرف مسلم لیگ کے سبز جھنڈے اس کثرت سے اُڑ رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا جیسے قدرت بھی درختوں کی شکل میں مسلم لیگ کے سبز جھنڈے ہی اُڑا رہی ہے۔ ہوڑہ اسٹیشن اور وہ مُعلّق پُل جو ہوڑہ برج کے نام سے مشہورِ زمانہ تھا، خاص طور سے اس رنگ و نُور میں غرق تھے۔ بھیڑ کا یہ عالم کہ بہ قول شخصے اگر تھالی پھینک دی جائے تو انسانوں کے سروں ہی پر میلوں ناچتی چلی جائے اور زمین پر اُترنے کا نام نہ لے۔ بُڈھے، جوان، بچے، مرد، عورت، نہ محض کلکتے کے گوشے گوشے سے بل کہ بنگال، بہار، یُوپی سے بھی اُمنڈ آئے تھے اور کیوں نہ آتے۔ آج ان کے محبوب قائدِ اعظم جو آرہے تھے۔ مسلمان تو جوشِ عقیدت و محبّت میں آئے تھے، مگر دوسری قوموں کے لوگ ہندو، سکھ، عیسائی، اینگلو انڈین، انگریز، امریکن بھی کثیر تعداد میں تماشا دیکھنے یا تصویریں کھینچنے کے لیے موجود تھے۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈز وردیاں پہنے مجمعے کو منظّم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان منظّم کرنے والوں میں مخلص پیش پیش تھا۔ باوجود کوشش کے نازش اس کے ساتھ ساتھ رہ کر کام نہ کر سکی تھی، اسے لڑکیوں کے گروہ میں شامل ہونا پڑا تھا۔ تسنیم کو مسلم لیگ کونسل کے رُکن کی حیثیت سے اہمیّت حاصل تھی۔ وہ اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں میں شامل تھے

اوران کی یہ دولت وہاں عرفان مُلّااور شمس الدّین بھی پہنچ گئے تھے۔

مجمعے میں ایک طرف لیلیٰ بھی موجود تھی، وہ کامریڈوں کو مختلف حصّوں میں بھیج چکی تھی اور جو آتا اُسے بھیجتی جاتی۔ لتا بھی گھوم پھر کے آئی اور اس خیال سے کہ بھیڑ کا دھکا اسے دُور نہ پھینک دے، لیلیٰ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہوگئی، ہاتھ چُھوتے ہی اس نے کہا: ''باس! آپ کا بدن تو گرم ہے، بخار لگتا ہے۔''

لیلیٰ: ''کوئی بات نہیں، تم ہوڑہ برج کے قریب سے قریب پہنچ جاؤ، تاکہ جب جلوس پُل پار کر کے آئے تو اسے قریب سے دیکھ سکو۔'' وہ ''جو حکم'' کہہ کر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد زمین و آسمان کے دل اللہ اکبر، قائدِاعظم زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد، پاکستان زندہ باد! کے نعروں سے ہل گئے۔ یہ شور ریل کے اسٹیشن میں داخل ہوتے ہی اُٹھا اور میلوں تک اُٹھتا چلا گیا۔ کوئی اور اونچی جگہ نہ پاکر ایک گھوڑا گاڑی کی چھت پر مسٹر اسمتھ کھڑے تصویریں لے رہے تھے۔ اسی طرح اور گھوڑا گاڑیوں کی چھتوں پر بھی لوگ کھڑے تھے، مقامی بھی بیرونی ممالک کے بھی۔ انھی میں مسٹر ریمزے بھی تھے۔ جنھیں گھوڑا گاڑیاں میسر نہ آسکی، وہ موٹروں ہی کی چھتوں کو نوازنے پر مجبور ہوئے تھے۔ قائدِاعظم کے آنے نے غریب گھوڑا گاڑی کے دن پھیر دیے تھے اور اسے یکایک موٹر سے زیادہ اہمیت بخش دی تھی۔ آخر ان کی تحریکِ پاکستان نے بھی تو غریب عوام کو امیر اُمرا سے زیادہ اہم بنادیا تھا۔

ریمزے نے پہلے پہل قائدِاعظم کا نام چائے کے باغ میں سُنا تھا۔ اس وقت اس نام کو چنداں اہمیّت نہ دی تھی۔ اس کے دل میں شبہ تھا کہ شاید ہندوستان کی آزادی کے مسئلے کو اُلجھانے کے لیے مسلمانوں کا سوال کھڑا کیا گیا ہو اور جو بات وہ اتنے دنوں سے اپنے ملک امریکا میں سُنتا چلا آیا تھا، وہی صحیح ہو یعنی ہندوستان کا صرف ایک مسلمہ لیڈر گاندھی ہے، جس کے پیچھے سارا ملک ہے۔ اس نے بعد میں بھی ہندو مسلم مسئلے کا ذکر وقتاً فوقتاً سنا تھا، مگر اس کا شبہ دُور نہ ہوا تھا، اب جو اس نے یہ عظیم الشّان مجمع اور یہ جوش و خروش دیکھا، تو وہ کچھ چکرا سا گیا، تو کیا واقعی اس ملک میں مسلمان اپنے کو ہندوؤں سے علیحدہ ایک قوم سمجھتے ہیں اور ان کا لیڈر گاندھی نہیں، بلکہ جناح ہے جسے وہ قائدِاعظم کہتے ہیں؟ پھر تو معاملہ واقعی ٹیڑھا ہے۔

کچھ یوپی و بہار کے ہندو مزدور بھی تماشائیوں میں تھے، ان کے گروہ میں جیسا کہ عام طور سے ہر گروہ میں ہوا کرتا ہے، ایک بُقراط قسم کا شخص بھی تھا جو اپنے ساتھیوں کی معلومات میں قیمتی اضافہ کرنا اپنا فرض سمجھ رہا تھا۔ وہ بات بات پر اپنے ساتھیوں کو دیہاتی زبان میں معلومات آفریں باتیں بتاتا جاتا تھا اور ان کے چہروں پر حیرت و استعجاب کا وہ عالم ہوتا تھا، جیسے اس کی ہمہ دانی پر آفرین کہہ رہے ہوں۔ جب قائدِاعظم زندہ باد کا شور گونجا تو اس نے کہا: ''جانت ہو، ای سور کا ہے، جندہ باگ آئے رہا ہے۔'' (جانتے ہو، یہ شور کیا ہے، زندہ باگھ آرہا ہے)

لوگ: ''جندہ باگ! باپ رے باپ! پھر تو بھاگے کا چاہی۔'' (.... پھر تو بھاگنا چاہیے)

بُقراط (فخریہ ہنسی کے ساتھ) ''جندہ باگ، سچ مچ کا باگ تھوڑی، مسلمانن کا راجا'' (.... مسلمانوں کا راجا)

لیلیٰ پاس ہی کھڑی تھی، باوجود یہ کہ اس کی طبیعت بڑی مضمحل تھی، مگر اس بُقراطیت پر بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی، اس نے دل میں کہا "یہ بُقراط زندہ باد کو جندہ باگ خوب سمجھا، مگر اس کی موٹی سمجھ میں یہ بات آئی بڑے پتے کی، واقعی مسٹر جناح اس وقت انسان کی صورت میں زندہ شیر کی طرح ہیں اور مسلمانوں کے دلوں پر جس طرح حکومت کر رہے ہیں، وہ کوئی راجا بھی کیا کرے گا۔"

قائدِاعظم کی سواری پاس سے گزری، ایک طرف ان پر پھولوں کی پنکھڑیاں برس رہی تھیں اور ان کا چہرہ پھول کی طرح کھلا جارہا تھا، دُوسری طرف نیشنل گارڈز کے منظّم دستوں کی چمکتی ہوئی تلواریں، پھر لوگوں کے چہروں پر حوصلوں، ولولوں کی چمک، اس پر اللہ اکبر، قائدِاعظم زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد، پاکستان زندہ باد کے دل ہلا دینے والے نعرے۔ سواری کیا تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جلال و جمال، مَن تو شدم، تو مَن شدی[1] ہو گئے ہیں۔

لیلیٰ نے محسوس کیا کہ جو کچھ وہ دیکھ رہی ہے، اس سے مخلص کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی، مخلص کے دل میں اس منظر سے کتنا جوش وولولہ پیدا ہوگا اور اس کے حوصلے وعزائم اب پہلے سے بھی کتنے زیادہ بلند اور مضبوط ہوگئے ہوں گے، وہ مسلمان ہوتی تو ضرور اس کا بھی یہی حال ہوتا، نازش کا بھی یہی ہوا ہوگا...... اس کا مطلب...... مطلب یہ ہے کہ نازش کے دل کی دھڑکن...... مخلص کے دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہوگی، کیا یہ بات وہ اپنے دل کی دھڑکن کے بارے میں بھی کہہ سکتی تھی؟

لتا ہانپتی کانپتی آئی "ارے باس! باس! وہ...... وہ!"

"بات کیا ہے، خیریت تو؟ وہ...... وہ...... کون؟"

"نہیں، خیریت نہیں...... وہ...... وہی" لیلیٰ کا دل بلیوں اُچھل پڑا۔ 'وہ' کا مطلب وہ سمجھ گئی تھی، انھیں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا، الٰہی خیر۔ (ارے میرے دل سے یہ "الٰہی خیر" کیا نکلا! میں تو خدا کو نہیں مانتی، واقعی یہ انسان کی کم زوری اور بے بسی ہی ہے جو اسے خدا کو ماننے پر بعض وقت مجبور کر دیا کرتی ہے)

قائدِاعظم کی سواری گزرنے کے بعد مجمع آہستہ آہستہ منتشر ہونے لگا، عرفان مُلّا نے تسنیم سے کہا:

"آپ قائدِاعظم کا دیدار کرا دیا، آج میں وہ دیکھے جو سارا زندگی دیکھنے نہیں سکتے تھے، اللہ اکبر! دل کرتا، میں یہیں سجدے میں گر پڑیں۔ جمع دار صاحب یہ دیکھنے سے تو قالوا اِنّا للہ ہو نہ سکتے تھے۔"

اسمتھ اور ریمزے کی آپس میں ملاقات ہوگئی۔

اسمتھ: "آپ نے دیکھا؟"

---

[1] میں تُو ہو گیا، تُو میں ہو گیا

ریمزے: ''ہاں اگر میں خود نہ دیکھے ہوتا تو سمجھتا، لوگ بڑھا چڑھا کر کہہ رہے ہیں۔''

سمتھ: ''میرا خیال اب تو اور بھی مضبوط ہو گیا ہے کہ پاکستان روکے نہیں رُکتا، ہم لوگوں کو ابھی سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عالمی بساط سیاست پر یہ ایک اور مہرہ ضرور آئے گا۔ اس کے آنے کے بعد بازی کا نقشہ کس طرح بدلنا پڑے گا؟ اس پر ابھی سے غور کرنا چاہیے، شطرنج کا اچھا کھلاڑی وہی ہے جو بہت دُور کی چالیں پہلے سے سوچ لے۔''

ریمزے: ''آج میرے سارے خیالات الٹ پلٹ ہو گئے۔ مجھے از سرِ نو نقشہ جمانے میں ابھی کچھ دیر لگے گی۔''

(ماخوذ از: سحر ہونے تک)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) قائدِ اعظم کے جلسے کے لیے کیا کیا تیاریاں ہو رہی تھیں؟

(ب) مذکورہ متن میں کتنی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے اور کیوں؟

(ج) لیلیٰ کا جلسے میں کیا کام تھا؟

(د) ریمزے کے ذہن میں قائدِ اعظم کا خاکہ کیسا تھا؟

(ہ) پاکستان کے بارے میں اسمتھ کے کیا خیالات تھے؟

(و) ''قدرت بھی درختوں کی شکل میں مسلم لیگ کے سبز جھنڈے ہی اڑا رہی ہے''۔ اِس عبارت سے مصنف کی کیا مراد ہے؟

سوال ۲: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالۂ سیاق و سباق کیجیے:

(الف) ''بھیڑ کا یہ عالم کہ بہ قول شخصے اگر تھالی پھینک دی جائے تو انسانوں کے سروں ہی پر میلوں ناچتی چلی جائے۔''

(ب) ''مسٹر جناح اس وقت انسان کی صورت میں زندہ شیر کی طرح ہیں اور مسلمانوں کے دلوں پر جس طرح حکومت کر رہے ہیں، وہ کوئی راجا بھی کیا کرے گا۔''

(ج) ''عالمی بساط سیاست پر یہ ایک اور مہرہ ضرور آئے گا۔ اس کے آنے کے بعد بازی کا نقشہ کس طرح بدلنا پڑے گا؟ اس پر ابھی سے غور کرنا چاہیے، شطرنج کا اچھا کھلاڑی وہی ہے جو بہت دُور کی چالیں پہلے سے سوچ لے۔''

سوال ۳: درج ذیل تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

رنگ و نور — کوچہ و بازار — دُھلی دُھلائی — عظیم الشّان — جلال و جمال

سوال ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- ''سحر ہونے تک'' ناول ہے:

(الف) ڈپٹی نذیر احمد کا (ب) علامہ راشد الخیری کی
(ج) خدیجہ مستور کا (د) فضل احمد کریم فضلی کا

۲- اس ناول کا پلاٹ ہے:

(الف) پاکستان کی آزادی سے متعلق (ب) غدر سے متعلق
(ج) پہلی جنگِ عظیم سے متعلق (د) دوسری جنگِ عظیم سے متعلق

۳- "عالمی بساطِ سیاست پر یہ ایک اور مہرہ ضرور آئے گا" یہ جملہ استعارہ ہے:

(الف) قیامِ پاکستان کا (ب) تقسیمِ ہندوستان کا
(ج) شطرنج کے ایک کھلاڑی کا (د) قائدِ اعظمؒ کا

۴- ''من تُو شدم'' سے مراد ہے:

(الف) تو اور میں ہو گئے (ب) میں، تُو ہو گیا
(ج) میں اور تُو ہو گئے (د) تُو، میں ہو گیا

۵- "انسان کی صورت میں زندہ شیر کی طرح تھے" اس جملے میں ایک صنعتی خوبی ہے:

(الف) صنعتِ مبالغہ (ب) صنعتِ تلمیح
(ج) صنعتِ استعارہ (د) صنعتِ تشبیہ

سعید اکثر دیر سے آتا ہے۔ ابراہیم اسکول خوشی سے جاتا ہے۔ ناہید حیدرآباد جا رہی ہے۔
درج بالا جملوں میں فعل کے متعلق بتایا جا رہا ہے۔ یہ جملے بتا رہے ہیں کہ: (۱) سعید کب آتا ہے۔ (۲) ابراہیم کیسے جاتا ہے۔ (۳) ناہید کہاں جا رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی فعل کے بارے میں یہ بتانا ہو کہ وہ فعل کب، کس طرح اور کہاں واقع ہوا تو ''متعلقِ فعل'' کا استعمال ہوتا ہے۔

سوال ۵: درج ذیل جملوں میں ''متعلقِ فعل'' کی شناخت کیجیے:

(۱) بچہ روتے روتے سو گیا۔ (۲) قافلہ منزل پر پہنچ گیا۔ (۳) اقبال دیر سے آتا ہے۔

☆ ناول نگاری: ناول کا ماخذ اطالوی زبان کا لفظ ناویلا "Novela" ہے۔ جس کے لفظی معنی انوکھا، عجیب اور نیا کے ہیں۔ اصطلاح میں ناول سے مراد ایسی کہانی جس میں انسانی زندگی کے حالات و واقعات اور مسائل و معاملات کو دل چسپ انداز میں پیش کیا جائے۔ یہ دل چسپی پلاٹ، کردار نگاری، منظر نگاری اور مکالمہ نگاری سے پیدا کی جاتی ہے اور یہی ناول کے بنیادی عناصر ہیں۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ اس ناول کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔

۲- طلبہ کمرۂ جماعت میں اپنے زیرِ مطالعہ کسی اور ناول؍ کہانی کے مکالمے دُہرائیں گے۔ پھر اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں مختصر تبصرہ بھی کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کو ناول پڑھنے میں مدد فراہم کیجیے۔

۲- ناول کے اجزا کے بارے میں طلبہ کو بتائیے۔

۳- اس ناول کے سیاسی پہلو کے بارے میں طلبہ کو آگاہ کیجیے۔

۴- کسی علمی/ ادبی لیکچر میں شرکت کی اہمیت اجاگر کیجیے۔ نیز لیکچر کے چیدہ چیدہ نکات اپنی ڈائری میں نوٹ کرنے کی افادیت بھی طلبہ کو بتائیے۔

۵- طلبہ کو مختلف النّوع لغات کا استعمال سکھائیے۔

خدیجہ مستور

پیدائش: ۱۹۲۷ء

وفات: ۱۹۸۲ء

تصانیف: ٹھنڈا میٹھا پانی، آنگن، تھکے ہارے، زمین

زمین

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ : ۱- عدالتی فیصلے، وکالت نامے سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ۲- بات درمیان سے سن کر سیاق وسباق کے ساتھ بیان پر قادر ہو سکیں۔ ۳- روزمرّہ زندگی کے حوالے سے مفصل روداد یا آنکھوں دیکھا حال تحریر کر سکیں۔

اس نے دیکھا، ابّا دور سے ٹہلتے ہوئے چلے آرہے ہیں اور راستے میں رُک رُک کر لوگوں سے باتیں کرتے جا رہے ہیں۔ انھیں کیمپ کی بہ ظاہر نظر آنے والی ذرا ذرا سی بات کا علم رہتا۔ کتنے لوگ آئے ہیں، کتنے خاندان چلے گئے، کتنے جانے والے ہیں اور کون کہاں جا رہا ہے۔ جانے والی بات سناتے ہوئے ابّا کی آنکھوں میں چمک آجاتی۔ ''ایک دن ہم بھی چلے جائیں گے، بہت جلدی، سُنا تم نے بٹیا؟ کوئی ہم سدا تو یہاں نہیں رہیں گے!''

اب سُورج ڈھل گیا تھا۔ بسیرا لینے والے پرندے درختوں پر شور مچا رہے تھے۔ وہ ایک دم اُداس ہو گئی۔ بیگمات اب واپس جا رہی تھیں اور کھانے کی دیگیں ریڑھے پر سے اُتاری جا رہی تھیں۔ بجلی کے کھمبوں پر کم پاور کے بلب پکے پھوڑوں کی طرح چمک اُٹھے۔ اس نے دیکھا کہ ابّا اس کی طرف آرہے ہیں۔ مگر اب وہ کچھ اس طرح چل رہے تھے جیسے خود کو گھسیٹ رہے ہوں۔ وہ لپک کر ابّا کے پاس پہنچ گئی تو انھوں نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔

''ابّا! آپ کی طبیعت ٹھیک تو ہے نا؟''

''ٹھیک ہوں بٹیا! بالکل ٹھیک ہوں۔ لوگ کہہ رہے ہیں ''آج گوشت کی دیگیں آئی ہیں، تم لپک کر برتن تو اُٹھا لاؤ بٹیا۔''

''آپ اندر چل کر لیٹیے، کھانا آہی جائے گا۔''

''ارے نہیں بٹیا! تم دیکھتی نہیں لوگ کس طرح دیگوں پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔'' وہ ہنسنے لگے۔ ''ساری بوٹیاں ختم ہو جائیں گی، تم میرے آرام کی خاطر بھوکی رہ جاؤ گی۔ سالن کی خوش بُو آرہی ہے نا!'' اُنھوں نے ساجدہ کے شانے سے ہاتھ ہٹا لیا

مگر ہاتھ ہٹاتے ہی وہ پیٹ پکڑ کر اس طرح جھک گئے جیسے گر پڑیں گے۔

''بھاڑ میں جائے کھانا، آپ اندر چلیے۔'' جب وہ ابّا کو سہارا دے کر اندر لا رہی تھی تو اس نے محسوس کیا کہ ان کے پاؤں کانپ رہے ہیں۔

ابّا کو لٹا کر اس نے دوا کی شیشی اُٹھائی تو انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

''کیوں ابّا؟''

''اس دوا سے فائدہ نہیں ہو رہا، ڈاکٹر سے کہو کہ ....'' ابّا نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''میں ڈاکٹر کے پاس جاتی ہوں ابّا! میں اسے ابھی لاتی ہوں۔'' وہ باہر نکل کر پُوری طاقت سے بھاگنے لگی۔ اس نے یہ بھی نہ سُنا کہ ابّا اسے پکار رہے تھے ''رُک جاؤ بٹیا! پہلے کھانا لے آؤ، لوٹ آؤ بٹیا! میں ٹھیک ہوں۔''

ڈسپنسری تک پہنچتے پہنچتے اس کی سانس پُھول گئی، اسٹول پر بیٹھا ہوا کمپونڈر بڑے مزے سے نان کے ساتھ بوٹیاں کھا رہا تھا۔ جب وہ ڈسپنسری کے اندر جانے لگی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''ڈاکٹر صاحب واک کے لیے گئے ہیں بی بی!'' نِوالہ نگلنے کے بعد اس نے بتایا۔

''کب آئیں گے؟''

''آ جائیں گے بی بی! اب دیکھو نا، جب تک بندہ ٹہلے نہیں، روٹی کیسے ہضم ہو۔ بس آتے ہی ہوں گے۔''

''میرے ابّا بہت بیمار ہیں۔'' وہ کمپونڈر کو التجا سے دیکھنے لگی۔ ''جب ڈاکٹر صاحب آئیں تو ان سے کہنا منشی رمضان صاحب کو آ کر دیکھ لیں۔'' یہ پیغام اس نے بالکل اسی طرح دیا جیسے ایک بار رات کو وہ اپنی گلی میں رہنے والے ڈاکٹر کو دے آئی تھی۔ اس رات بھی ابّا کے پیٹ میں سخت درد اُٹھا تھا۔ ڈاکٹر چند منٹ بعد آ گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ آپریشن کرا کے اپینڈکس نکلوا دیں۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد ابّا بہت ہنسے تھے ''کل کو ڈاکٹر صاحب کہیں گے کہ پیٹ ہی بدلوا لو۔'' ساجدہ نے کیسا کیسا سمجھایا مگر ابّا تو آپریشن کی بات ہی سننے کو تیار نہ تھے۔ باپ کی کم علمی بعض وقت اسے خُون کے آنسو رُلاتی۔

وہ چند منٹ تک کھڑی ڈاکٹر کا انتظار کرتی رہی اور پھر یہ سوچ کر دوڑ پڑی کہ ابّا اکیلے ہیں مگر جب وہ ابّا کے پاس پہنچی تو وہ اکیلے نہیں تھے، ان کے پاس بہت سے لوگ جمع تھے اور ڈاکٹر بھی سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ ساجدہ کو دیکھ کر لوگ ابّا کے پاس سے ہٹ گئے۔ ابّا کے سرھانے رکھی ہوئی لالٹین ٹمٹما رہی تھی۔

''آپ یہاں ہیں، میں آپ کو ڈسپنسری میں تلاش کر رہی تھی۔ اب ابّا کی طبیعت کیسی ہے؟'' وہ ڈاکٹر کو اُمید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ''ابّا ٹھیک ہیں نا، آپ کو کس نے بتایا کہ میرے ابّا بیمار ہیں؟''

''میں نے اِن کو اِدھر سے گزرتے دیکھا تو بلا لیا تھا۔'' ایک بزرگ سے آدمی نے بھرّائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''میں پوچھ رہی ہوں میرے ابّا کیسے ہیں؟'' وہ تقریباً چیخ پڑی۔ سب خاموش رہے، کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

''میں ڈیوٹی پر تھا، اگر میں واک پر نہ گیا ہوتا تو......''اس نے ساجدہ کی وحشت زدہ آنکھوں میں جھانک کر سر جھکا لیا۔
''مجھے اپنے جُرم کا احساس ہے۔''

''اللہ کی مرضی، اللہ کی مرضی۔'' کئی آوازوں نے ایک ساتھ کہا۔ تب اسے احساس ہوا کہ ابّا مر گئے اور اس احساس کے ساتھ ہی وہ سر سے پاؤں تک سُن پڑ گئی۔ اس نے ڈاکٹر کو جاتے دیکھا، لوگوں کو ہٹتے دیکھا، پھر وہ ایک کم زور شاخ کی طرح جھکنے لگی، تو کئی ہاتھوں نے اُسے تھام لیا۔

جب وہ ہوش میں آئی تو اس نے دیکھا کہ ادھیڑ عمر کی عورتیں بیٹھے بیٹھے ایک دوسرے کا سہارا لیے سو رہی تھیں اور دو سپارے ان کے سامنے کھلے ہوئے تھے۔

وہ آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے ابّا کے چہرے سے چادر سرکا کر لالٹین کی بتّی اونچی کر دی۔ سرد، اُداس اور ویران چہرہ جیسے اس سے سرگوشی کر رہا تھا''اری بٹیا! زندگی کے حساب میں بھی غلطی ہو گئی۔ اب تم کیا کرو گی؟''

اس نے اپنا چہرہ ان کے ٹھنڈے چہرے پر رکھ دیا اور اس طرح گھٹ گھٹ کر رونے لگی کہ کہیں کوئی اس کے آنسوؤں کی آہٹ نہ سُن لے، کوئی اس کے غم کی راہ کو صبر کے لفظوں سے کھوٹا نہ کر دے۔

(ماخوذ از: زمین)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ساجدہ اپنے ابّا کے پاس واپس آئی تو اس نے کیا دیکھا؟

(ب) ساجدہ ابّا کو کھانا لینے کے لیے کیوں نہیں جانے دینا چاہتی تھی؟

(ج) کمپاؤنڈر کی گفتگو سے کیا ظاہر ہو رہا تھا؟

(د) ساجدہ کو دیکھ کر ڈاکٹر نے کیا کہا؟

(ہ) میّت کے پاس بیٹھے لوگوں کا کیا رویّہ تھا؟

(و) جانے والی بات سناتے ہوئے ابا کی آنکھوں میں چمک کیوں آ جاتی تھی؟

سوال ۲: کہانی کا انجام، پڑھنے والے کے ذہن پر کیا اثرات مرتّب کرتا ہے؟

سوال ۳: سبق کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالیے۔

سوال ۴: اپنے اسکول یا علاقے میں ہونے والی کسی تقریب کا آنکھوں دیکھا حال تحریر کیجیے۔

سوال۵: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- ساجدہ کے بیمار والد کا نام تھا:

(الف) منشی رمضان (ب) جمعہ خان

(ج) رجب علی (د) مولوی معراج

۲- ابّا کے سخت درد اُٹھا تھا:

(الف) کان میں (ب) سر میں

(ج) پیٹ میں (د) دل میں

۳- ساجدہ ڈسپنسری پہنچی تو ڈاکٹر گیا ہوا تھا:

(الف) واک کے لیے (ب) ناشتے کے لیے

(ج) دوسرے شہر (د) دوسرے مریضوں کو دیکھنے

۴- ڈاکٹر کے ساجدہ سے اپنے جرم کا اعتراف کی وجہ تھی:

(الف) وہ دیر سے مریض کو دیکھنے گیا (ب) ابّا کو ڈاکٹر نے آپریشن کے لیے تیار نہیں کیا

(ج) اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر واک کرنے چلا گیا تھا (د) اپنے فرض منصبی سے غفلت برتنا

۵- ابا کی وفات کی اصل وجہ تھی:

(الف) پیٹ کی تکلیف (ب) ساجدہ ابا کو اکیلا چھوڑ کر ڈاکٹر کو بلانے چلی گئی

(ج) وقت پر فوری طبّی امداد کا نہ ملنا (د) ڈاکٹر کے آپریشن کے مشورے پر عمل نہ کرنا

سوال۶: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق وسباق کیجیے:

(الف) ”ڈاکٹر کے جانے کے بعد ابّا بہت ہنسے تھے ”کل کو ڈاکٹر صاحب کہیں گے کہ پیٹ ہی بدلوا لو۔“ ساجدہ نے کیسا کیسا سمجھایا مگر ابّا تو آپریشن کی بات ہی سُننے کو تیار نہ تھے۔ باپ کی کم علمی بعض وقت اسے خُون کے آنسو رُلاتی۔“

(ب) ”اس نے ابّا کے چہرے سے چادر سرکا کر لالٹین کی بتّی اونچی کر دی۔ سرد، اُداس اور ویران چہرہ جیسے اس سے سرگوشی کر رہا تھا ”اری بٹیا! زندگی کے حساب میں بھی غلطی ہو گئی، اب تم کیا کرو گی؟“

سوال۷: ”ہمیں آزادی کی قدر کرنا چاہیے“ اس عنوان سے ایک مضمون لکھیے۔

☆واوین(“ ”) (INVERTED COMMAS)

جب کسی کا قول، اُسی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے تو اس کے شروع میں اور آخر میں یہ علامت لاتے ہیں۔ تا کہ معلوم ہو کہ یہ حصہ باقی عبارت سے الگ ہے اور کسی دوسرے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی مشہور شعر کے کسی ٹکڑے کو کسی خاص ترکیب کو یا نثر کے کسی خاص ٹکڑے کو جب اپنی عبارت میں کھپاتے ہیں تو اسے کو ممتاز کرنے کے لیے ''واوین'' میں مُقیّد کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی لفظ یا مجموعہ الفاظ کو ایک خاص معنی میں یا ایک خاص طرح استعمال کیا گیا ہے اور پڑھنے والوں کی توجہ کو اس خاص اندازِ استعمال کی طرف مبذول کرانا مقصود ہے۔ اس صورت میں بھی ان الفاظ یا لفظ کو ''واوین'' میں لاتے ہیں۔ کبھی بعض اصطلاحوں کو بھی ''واوین'' میں لکھا جاتا ہے تا کہ وہ اس عبارت میں آمیز نہ ہونے پائیں۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ اپنے معلم کی مدد سے کوئی عدالتی فیصلہ یا وکالت نامہ حاصل کر کے باری باری کمرۂ جماعت میں پڑھیں گے۔
۲- طلبہ اپنے سنے یا پڑھے ہوئے کسی ڈرامے / کہانی کے چند جملے سن کر ہم جماعتوں کو سیاق و سباق سے آگاہ کریں گے۔

برائے اساتذہ

علمی / ادبی / تعلیمی سرگرمیوں کے حوالے سے طلبہ کی مدد اور رہنمائی کیجیے۔

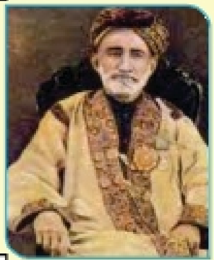

شمسُ العُلماء مرزا قلیچ بیگ

پیدائش: ۱۸۵۳ء

وفات: ۱۹۲۹ء

تصانیف: دیوانِ قلیچ، لغاتِ لطیفی، زینت، احوالِ شاہ عبداللطیف بھٹائی

نئے دور کی لڑکی

حاصلاتِ تعلُّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- ادبی مضمون کے اندازِ بیان کو سمجھ سکیں۔ ۲- کسی علمی مضمون میں الفاظ و تراکیب اور اصطلاحات کے محل استعمال کا ادراک کر سکیں۔ نیز نفسِ مضمون سمجھ سکیں۔ ۳- کسی ادبی رسالے یا مخزن کے لیے اپنی تحریریں بھیج سکیں۔ (ڈائری، رپورتاژ، انشائیے، کہانی، افسانہ، غزل یا نظم) ۴- سن کر بات/ کہانی/ مکالمے وغیرہ کی جزئیات میں اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں حسبِ ضرورت کمی بیشی کر سکیں۔

مائی شہر بانو اور بختاور، زینت بانو کی شادی کے متعلق گفتگو کر رہی تھیں۔ زینت بانو اس گفتگو سے بے خبر دور بیٹھی تلاوتِ کلامِ پاک میں مصروف تھی۔ جب اس نیک کام سے فارغ ہوئی تو حسبِ دستور دو تین گھنٹے لکھنے پڑھنے کا کام کیا اور پھر کارچوب لے کر ایک ٹوپی پر کڑھائی کرنے لگی۔ پھر جلد ہی کھانا تیار ہوا۔ حامد علی بھی اسکول سے لوٹ آیا تھا اور ماں، بیٹا اور بیٹی نے اکٹھے کھانا کھایا۔

کھانا کھانے کے بعد حامد نے کہا کہ ''میں نے علی رضا سے ملنے کا وعدہ کیا ہے اس لیے میں اب چلتا ہوں۔ وہ کسی انگریز کے ہاں سے کچھ کتابیں لائے گا۔ ان کتابوں میں ولایت کی عمارتوں اور کارخانوں کی تصاویر ہیں وہ مل کر دیکھنی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ چلنے لگا۔

چلتے وقت اس کی بہن نے کہا کہ ''بھیا، وہ کتابیں کچھ دیر کے لیے اگر مل سکیں تو لیتے آنا، تاکہ میں بھی دیکھ لوں۔''

''اچھّا''۔ حامد نے کہا۔

مائی شہر بانو دوسرے کمرے میں جا کر سو گئی کیوں کہ گرمیوں کے دن تھے اور بختاور جو زینت سے بات کرنے کے لیے کسی موقعے کی تلاش میں تھی، وہ پلیٹ میں کیلے، اناس لیے زینت بانو کے کمرے میں چلی آئی۔

زینت: ''بُوا، یہ کیا لائی ہو؟''

بختاور: ''کیلے ہیں بیٹا''۔

زینت: ''کہاں سے آئے ہیں؟''

بختاور: ''کیوں بیٹا، صبح تم نے نہیں دیکھا تھا کہ سیٹھ گل محمد کا آدمی دروازے پر آیا تھا اور ڈھیر سارا میوہ اور بیش قیمت تحائف لایا تھا۔ وہ سب چیزیں اندر رکھی ہیں۔''

زینت کا لہجہ کچھ تیز ہو گیا۔ ''ماں بھی کمال کرتی ہے۔ غیر لوگوں کے تحائف قبول کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟''

بختاور: ''ایسا مت کہو بیٹا، غیر ہی آخر کار اپنے بن جاتے ہیں۔ یہ تو اس جگ کی رِیت ہے۔''

زینت: ''پتا نہیں کیا کہہ رہی ہو، مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

بختاور: ''خاصے عرصے سے بے چارا سیٹھ تحفے تحائف بھیج رہا ہے۔ میں جب بھی ان کے ہاں گئی ہوں، اتنی عزّت سے پیش آئے ہیں کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔''

زینت: ''بُوا، آج تم اللہ اور رسول کی تعریف کے بہ جائے اس سیٹھ کی تعریف لے بیٹھی ہو۔ خیریت تو ہے؟''

بختاور: ''بیٹا، اچھے لوگوں ہی کے گُن گائے جاتے ہیں۔ اس کا بیٹا بڑا ہی خوب صورت بچہ ہے، میں تو جب بھی جاتی ہوں مجھ سے لپٹ جاتا ہے۔ ماشاءاللہ، بڑا ہو کر ہیرا ہو گا ہیرا۔''

زینت: ''تو پھر؟''

بختاور: ''زینت بیٹا، خدا کرے تم بھی ایسے خوش حال گھر میں جاؤ۔''

زینت: ''واہ بُوا، میں تمھیں اپنی ماں کے برابر سمجھتی ہوں اور کبھی کبھار ہنسی مذاق کر لیتی ہوں۔ کہیں تم نے اس کا غلط مطلب تو نہیں لیا ہے؟ ویسے تو تم بڑی سیانی تھیں۔ آج یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟''

بختاور: ''زینت بیٹا، آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟ بیٹیاں تو آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں۔ تم خود بھی خاصی سیانی ہو۔ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ آخر کار تمھیں اپنا گھر بسانا ہے۔ ہمیشہ کے لیے تو والدین کے گھر پر نہیں پڑی رہو گی۔''

زینت: ''یہ تو صحیح ہے لیکن بُوا دعا کرو کہ واقعی کسی اچھے آدمی سے ناتا جُڑے کہ اس کے ساتھ زندگی بتانا ہے۔''

بختاور: ''کیوں مائی، سیٹھ گل محمد کے گھر میں آخر کیا کمی ہے؟ ایسا گھر تو کسی بھاگوان ہی کو ملتا ہے۔ ہزاروں کے زیورات اور مجھ جیسی دست بستہ دسیوں نوکرانیاں۔''

زینت: ''ایسے سکھ کس کام کے؟ ایک طرف تم خُود ہی کہتی ہو کہ سیٹھ کا بیٹا بالشت بھر کا ہے۔ کہیں اونٹ کو گھنٹی باندھنے[1] کی فکر میں تو نہیں ہو؟''

بختاور: ''کیوں مائی، آج چھوٹا ہے تو کل بڑا بھی ہو گا۔ خود ہی کو دیکھ لو۔ کل تو تم بھی اتنی سی تھیں۔''

زینت: ''بُوا، دنیوی سکھ کے لیے ہزاروں لاکھوں کسی کام کے نہیں۔ سونا چاندی تو آنی جانی شے ہے، آج ہے تو کل نہیں۔ عورت کے لیے سونا چاندی ہی کافی نہیں۔ پرکھنا تو اس شخص کو چاہیے جس کا ہاتھ تھامنا ہے۔ کل کو وہ کس سانچے میں ڈھلتا ہے،

---

[1] اصل مثل ہے۔ ''اونٹ کے گلے میں ٹلّی''۔ یعنی چھوٹی یا نابالغ لڑکی کو کسی ادھیڑ یا نوجوان بالغ کے ساتھ بیاہ دینا۔

اچھا بنتا ہے یا بُرا بنتا ہے یا بگڑتا ہے۔ جب یہ سب کچھ ان جانا ہی رہے گا تو ایسے شخص کا آسرا کیسا؟ لیکن بُوا سچ کہنا، یہ سب کچھ تم ہی کہہ رہی ہو یا ماں کے الفاظ دُہرا رہی ہو؟ دیکھو جُھوٹ مت بولنا، میں نے بھی کبھی تم سے کوئی بات نہیں چُھپائی ہے۔''

بختاور: ''بیٹا، سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے خُود اس بات کی فکر رہتی تھی۔ لیکن تمھاری ماں نے بھی ایسا کہا ہے۔''

زینت: ''پھر بُوا اتنا اور بتادو کہ کہیں ماں نے ان لوگوں سے ہاں تو نہیں کہہ دی؟''

بختاور: ''نہیں بیٹا، ہاں تو نہیں کہی ہے۔ لیکن ان کے اور دوسرے لوگوں کے بارے میں وہ سوچتی ضرور رہتی ہیں۔''

زینت: ''دوسرے لوگ؟''

بختاور: ''کیا گزرے جمعے کی رات تم نے شربت اور گلاب کی بوتلیں نہیں دیکھی تھیں؟ محمد رمضان وکیل کے ہاں سے آئی تھیں۔ وہ بے چارا بھی کوشش کر رہا ہے۔''

زینت: ''بُوا، کہیں اسی وکیل کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہو جس کے متعلق اس رات حامد کہہ رہا تھا کہ ایک محفل میں لوگ اس کی بڑی شکایتیں کر رہے تھے کہ دولت مند اور بڑا آدمی ہے لیکن بڑا ہی مکھّی چُوس ہے۔ خدا کی راہ میں ایک پائی بھی نہیں دیتا اور اپنی بیوی اور گھر کے دوسرے افراد کو مارتا پیٹتا رہتا ہے۔''

بختاور: ''ہاں بیٹا، وہی۔''

زینت: ''واہ بُوا، کتنے شرم کی بات ہے۔ پھر اس آگ میں کُود پڑنے کو کس کا جی چاہے گا؟''

بختاور: ''نہیں بیٹا، بھاڑ میں جائیں وہ۔ مائی کا خیال تو تمھارے ماموں زاد امیر علی کے متعلق ہے۔''

زینت: ''ماموں زاد ہے تو کیا ہوا۔ جسے بولنا بھی نہیں آتا، جو بالکل گونگا ہے، کیا مجھے اس کے حوالے کر دیں گے؟ ماں مجھ پر یہ ستم کس طرح ڈھائے گی؟ اس سے تو بہتر کہ اپنے ہاتھوں سے مجھے زہر دے دیں تاکہ میں بھی عذاب سے نجات پاؤں اور دوسرے بھی۔''

بختاور: ''میں صدقے میں واری، اللہ خیر کرے۔ خدا کرے کہ تم دُودھوں نہاؤ، پُوتوں پھلو۔ ہمیں تمھاری خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں۔ لیکن بیٹا اپنے پھر بھی اپنے ہوتے ہیں۔ تمھارے ماموں کا لڑکا ہے، ایک ہی خون ہے۔ باپ کے زندہ ہوتے اسے کمانے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسا وہ خُود کھائیں گے ویسا تمھیں بھی کھلائیں گے۔''

زینت: ''خدا کا خوف کرو بُوا، والدین ہمیشہ تو نہیں رہیں گے۔ اپنے ہاتھ سے بوئی ہوئی فصل کاٹنے کا ہی آسرا رکھنا چاہیے۔ جس میں اپنی صلاحیت نہیں ہوگی، وہ اس دنیا میں کس طرح گزارا کرے گا اور کس طرح دوسروں کا بوجھ اُٹھائے گا؟ نہ بُوا۔ تمھیں خدا کا واسطہ مجھے اس آگ سے بچا لینا۔ ایسی شادی سے تو میں کنواری بھلی۔ اس سکھ سے تو دُکھ اچھّا۔ اس سے تو میں اپنے باپ کے گھر میں ٹھیک ہوں۔ آخر یہاں مجھے کون سا دُکھ ہے؟ اگر میری ماں مجھے بوجھ سمجھتی ہے تو میں خود محنت کرکے، سینے پرونے کا کام کرکے اپنا گزارہ آپ کر لوں گی۔ کم از کم اس آگ میں تو نہ کودوں گی۔''

بختاور: ''زینت بیٹا، کہتی تو سچ ہو۔ لیکن تمھاری ماں کی یہی منشا ہے۔''

زینت: ''بُوا، جو تمھارے بس میں ہے وہ ضرور کرنا۔ تم مجھے ماں کی طرح چاہتی ہو۔ ماں کو اس کام سے روک سکو تو عنایت ہوگی۔ اگرچہ ماں کا حکم نہ ماننا بیٹی کے لیے کسی طور بھی مناسب نہیں، لیکن اس صورتِ حال میں جب کہ بیٹی کی جان پر بن آئے تو فریاد کے سوا چارہ بھی تو نہیں۔ تم اتنا تو ضرور کرنا کہ بات اس حد تک نہ بڑھنے پائے۔''

بختاور: ''بیٹی، تو تمھاری ذرا بھی مرضی نہیں؟ تمھیں تو یہ پتا ہے کہ بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔ اپنے رشتے داروں اور محلے داروں کا بھی تمھیں پتا ہے کہ نکتہ چینی کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ کوئی لڑکی کچھ زیادہ عرصہ والدین کے ہاں بیٹھ رہے تو لوگ باتیں بنانے لگتے ہیں کہ 'فلاں کے لیے دُولھا نہیں ملتا' یہ بھی ہمارے لیے کوئی اچھی بات تو نہیں۔ آخر یہ جگ کی ریت ہے، اللہ رسول کا حکم ہے اور اس کی تعمیل ہم پر فرض ہے۔''

زینت: ''یہ تو سچ ہے لیکن جان بوجھ کر کنویں میں کُودنا کہاں کی عقل مندی ہے؟''

بختاور: ''پھر آخر کیا کرنا چاہیے؟ تمھارے لیے دُولھا آسمان سے تو نہیں اُترے گا۔ پتا نہیں تمھیں کس کا گھر پسند ہے؟ ہم نے تو جو کچھ دیکھا بھالا ہے وہ تمھارے سامنے کہہ دیا ہے۔''

زینت: ''بُوا، گھر کی فکر بھی کچھ اتنی اہم نہیں۔ غریب ہے تو کیا؟ دولت مند ہے تو کیا؟ غربت اور شرافت دولت سے بڑھ کر ہیں۔ آمدنی چاہے زیادہ نہ ہو لیکن عزّت و شرافت والا ہو، بااخلاق ہو، علم و ہنر والا ہو، ہم عمر ہو اور پھر امیر کا بیٹا نہ ہونا کوئی عیب تو نہیں۔ ایسے ہی شخص کے ساتھ زندگی سکون سے کٹ سکتی ہے۔ میں نے کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اعتماد کا ہونا ضروری ہے۔ ایسا باہمی اعتماد جس سے دونوں کو مسرّت حاصل ہو۔ دونوں آگے بڑھیں اور زندگی خوش گوار طور پر گزاریں۔ اس اعتماد کی وجہ سے گھر جنّت بن جاتا ہے۔ جہاں ایسا نہیں ہے وہ گھر تو دوزخ سے بھی بدتر ہے۔''

(ماخوذ از: زینت- تحریر: مرزا قلیچ بیگ، سندھی ترجمہ: امداد حسینی)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) حامد جو کتابیں دیکھنے گیا، اُن میں کیا چیز تھی؟

(ب) ''اونٹ کو گھنٹی باندھنے'' کا کیا مطلب ہے؟

(ج) شہر بانو کے پاس بختاور کس مقصد سے آئی تھی؟

(د) زینت بی بی کے لیے بختاور نے کس کس گھر سے رشتہ آنے کا خیال ظاہر کیا؟

(ہ) گھر کس وجہ سے جنّت بن جاتا ہے؟

(و) ''بیٹیاں تو آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں'' اس مثل میں زینت کے لیے کیا اشارہ ہے؟

سوال ۲: درج ذیل تراکیب کے معنی بتائیے اور جملوں میں استعمال کیجیے:

کارچوب، بھاگوان، نکتہ چینی، مکھّی چوس، دست بستہ

سوال ۳: درست جواب پر نشان لگائیے:

۱- ''میں صدقے میں واری'' یہ فقرہ کہا ہے:

(الف) بختاور نے (ب) شہر بانو نے (ج) زینت بانو نے (د) عزیزہ بانو نے

۲- امی رشتہ چاہتی تھیں:

(الف) علی رضا سے (ب) محمد رمضان سے (ج) امیر علی سے (د) گل محمد سے

۳- زینت بانو کے نزدیک غربت اور شرافت بہتر ہے:

(الف) دولت سے (ب) تجارت سے (ج) ملازمت سے (د) زراعت سے

۴- ''دودھوں نہاؤ پُوتوں پھلو'' کا مطلب ہے:

(الف) تم صاحبِ اولاد ہو، مال و دولت کی فراوانی ہو

(ب) تم خوب دودھ پیو اور بیٹوں تک کو پلاؤ

(ج) تم دودھ سے نہاؤ اور بیٹوں کے پھل کھاؤ (د) تمھاری عمر دراز ہو

۵- زینت کے خیال میں شوہر ہونا چاہیے:

(الف) عمر میں بیوی کے برابر ہو (ب) اچھی آمدنی والا ہو

(ج) اپنی صلاحیت سے گھر چلانے والا ہو (د) امیر گھرانے والا ہو

سوال ۴: اس سبق کا خلاصہ لکھیے۔

سوالیہ / استفہامیہ (SIGN OF INTERROGATION):

یا رب! میں کہاں رکھتا ترا داغِ محبت؟
پہلو میں اگر میرے دلِ زار نہ ہوتا

کیا آپ نے کتاب خرید لی؟ آپ کب آئے؟ آپ کا نام کیا ہے؟

اوپر دیے ہوئے مصرعوں اور جملوں میں سوال کیا گیا ہے۔ اُن کے آگے علامتِ سوال (؟) دی گئی ہے۔ اس علامت کو ''سوالیہ یا استفساریہ'' بھی کہتے ہیں۔

سوال۵: پانچ ایسے جملے لکھیے جس میں سوالیہ / استفہامیہ کی علامت استعمال کی گئی ہو۔

سوال۶: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق وسباق کیجیے:

(الف) سوناچاندی توآنی جانی شے ہے، آج ہے توکل نہیں۔ عورت کے لیے سوناچاندی ہی کافی نہیں، پرکھنا تواس شخص کو چاہیے جس کا ہاتھ تھامنا ہے۔

(ب) اپنے ہاتھ سے بوئی ہوئی فصل کاٹنے کا ہی آسرا رکھنا چاہیے۔ جس میں اپنی صلاحیت نہیں ہوگی، اس دنیا میں کس طرح گزارا کرے گا اور کس طرح دوسروں کا بوجھ اٹھائے گا۔

سوال۷: عورتوں کی تعلیم اوراس کی اہمیت کے موضوع پر مضمون تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ اسی طرح کی کوئی کہانی لکھ کر کالج کے مخزن میں شامل کریں گے۔

۲- طلبہ مکالمے کی صورت میں ایک ملازمہ یا ملازم اور مالکن کے مابین کسی دیگر سماجی معاملے پر گفتگو لکھیں گے اور کالج مخزن میں شامل کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کو ''ناول'' کے لوازمات سے آگاہ کرتے ہوئے کسی اور معاشرتی ماحول کی عکاسی کرنے والے ناول کے مطالعے کی تلقین کیجیے۔

۲- طلبہ کواس سبق میں دیا گیا پیغام ذہن نشین کرائیے۔

سیّد حیدر بخش حیدری

پیدائش: ۱۷۶۸ء

وفات: ۱۸۲۳ء

تصانیف: آرائشِ محفل، گلِ مغفرت، گلشنِ ہند، توتا کہانی

چار مال دار

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- ادبی مطالعے کی روشنی میں خود بھی ادب تخلیق کر سکیں۔ ۲- تھیسارس (Thesaurus) کا استعمال بہ طور استدلال کر سکیں۔ ۳- ادبی اور اصطلاحی محضر کے بارے میں اپنا ذاتی نقطۂ نظر پیش کر سکیں۔ ۴- نسبۃً اعلیٰ استحسانی اور تنقیدی گفتگو سن کر اپنی رائے قائم کر سکیں۔

جب سورج چھپا اور چاند نکلا، خجستہ باسینۂ پُر سوز، چشم گریاں، روتی، آہیں بھرتی ہوئی توتے کے پاس گئی اور کہنے لگی ''اے سبز پوش توتے! میں غم سے موئی جاتی ہوں اور تو ہر ایک شب میری نصیحت اور گفتگو سے کھو دیتا ہے:

توتے نے کہا: ''اے خجستہ! یہ کیا کہتی ہے۔ دوستوں کی بات مانا (ماننا) چاہیے کیوں کہ جو کہنا دوستوں کا نہیں مانتا، وہ خراب ہوتا ہے اور پشیمانی کھینچتا ہے، جس طرح سے ایک شخص پشیمان ہوا تھا۔'' خجستہ نے کہا: ''میرے اچھے توتے! میں صدقے تیرے، وہ کون سی نقل ہے، کہہ۔''

توتا بولا کہ شہر بلخ میں کسی وقت چار یار مال دار رہتے تھے۔ اتفاقاً وے (وہ) چاروں مفلس ہو کر ایک حکیم کے پاس گئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا احوال اس کے آگے ظاہر کیا۔ تب حکیم کو ان کے اوپر رحم آیا اور ایک ایک مہرہ حکمت کا ان چاروں کو دے کر کہا کہ یہ ہر ایک مہرہ اپنے اپنے سروں پر رکھ لو اور چلے جاؤ۔ جس کے سر کا مہرہ جس جگہ گرے، وہ اس جگہ کو کھودے۔ جو اس میں سے نکلے، وہ اس کا حق ہے۔

آخر وے (وہ) چاروں ہر ایک مہرہ اپنے اپنے سر پر رکھ کر ایک طرف کو چلے۔ جب کئی کوس گئے، ایک کے سر کا مہرہ گرا۔ اس نے جو اس جگہ کو کھودا تو تانبا نکلا۔ اس نے ان تینوں سے کہا کہ میں اس تانبے کو سونے سے بہتر سمجھتا ہوں۔ اگر تمھارا جی چاہے تو میرے ساتھ یہاں رہو۔ انھوں نے کہنا اس کا نہ سنا اور آگے بڑھے۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ دوسرے کے سر کا مہرہ گرا اور ان نے جو وہ زمین کھودی تو روپا نکلا۔ تب اس نے ان دونوں سے کہا ''تم ہمارے پاس رہو، یہ روپا بہت ہے، زندگی گزر جائے گی، اس کو اپنا ہی سمجھو۔'' انھوں نے اس کا کہنا نہ مانا اور آگے بڑھے کہ تیسرے کے سر کا مہرہ گرا اور ان نے بھی جو

وہ زمین کھودی تو سونا نکلا۔ تب خوش ہو کر چوتھے سے کہنے لگا کہ اس سے اب کوئی چیز بہتر نہیں ہے۔ چاہتے ہیں کہ ہم تم یہیں رہیں۔ اس نے کہا "میں آگے جاؤں گا تو جواہر کی کان پاؤں گا، یہاں کیوں رہوں۔" یہ کہہ کر آگے چلا۔ جب قریب ایک کوس کے پہنچا، تب اس کا بھی مہرہ گرا۔ اسی طرح جو اس نے وہ جگہ کھودی تو لوہا نکلا۔ یہ حالت دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ میں نے کیوں سونے کو چھوڑا اور اپنے یار کا کہنا نہ مانا۔ سچ ہے:

سُخن دوست کا جو نہیں مانتے
وہ خاکِ پشیمانی ہیں چھانتے

اس لوہے کو چھوڑ کر وہ اس شخص کے پاس گیا جس نے سونے کی کان نکالی تھی۔ وہاں نہ اس کو پایا نہ سونا ہاتھ آیا۔ تب تیسرے روپے والے کے پاس گیا، اسے بھی نہ پایا۔ پھر وہاں سے تانبے والے کے پاس پہنچا، اسے بھی نہ پایا۔ تب اپنی قسمت کو رویا اور کہنے لگا کہ زیادہ قسمت سے کوئی نہیں پاتا۔ وہ پھر حکیم کے گھر گیا، اسے بھی وہاں نہ پایا۔ تب وہ بے چارہ نہایت پشیمان ہو کر یہ شعر پڑھنے لگا:

کس سے کہیے کہ کیا کِیا ہم نے
جو کِیا سو بُرا کِیا ہم نے

جب یہ کہانی توتے نے تمام کی، تب خجستہ سے کہا "جو دوستوں کی بات نہیں مانتا، وہ ویسا ہی پچھتاتا ہے۔" یہ سخن سنتے ہی خجستہ نے چاہا کہ چلوں، وو نھیں (وہیں) صبح ہو گئی اور مرغ نے بانگ دی۔

(ماخوذ از: توتا کہانی)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اس داستان میں چار مال دار کس شہر کے رہنے والے تھے؟
(ب) اس داستان میں خجستہ کون ہے؟
(ج) خجستہ نے توتے کو "سبز پوش" کیوں کہا؟
(د) دوسرے شخص کے زمین کھودنے سے کیا نکلا؟
(ہ) جواہر کی کان کا لالچ کِس کو تھا؟
(و) جو لوگ دوستوں کی بات نہیں مانتے، اُن کا انجام کیا ہوتا ہے؟

سوال ۲: درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:

پشیمان ــ مفلس ــ مہرہ ــ حکمت ــ روپا ــ جواہر ــ کان ــ خجستہ ــ بانگ

سوال ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- خجستہ کو داستان سنائی:

(الف) کبوتر نے (ب) مینا نے (ج) توتے نے (د) کویل نے

۲- چاروں مفلس گئے:

(الف) ڈاکٹر کے پاس (ب) عامل کے پاس (ج) حکیم کے پاس (د) توتے کے پاس

۳- حکیم نے چاروں کو دیا:

(الف) مہرہ (ب) روپا (ج) کشتہ (د) لوہا

۴- "کس سے کہیے کہ کیا کیا ہم نے + جو کیا سو بُرا کیا ہم نے" اس شعر میں شعری صنعت ہے:

(الف) تضاد (ب) تکرار (ج) تلمیح (د) استفہام

۵- اس سبق میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:

(الف) ہمت نہیں ہارنی چاہیے (ب) لالچ بُری بلا ہے

(ج) دوستوں کی بات ماننا چاہیے (د) لوہا سب سے اچھی چیز ہے

سوال ۴: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالہ سیاق و سباق کیجیے:

(الف) ''توتے نے کہا: ''اے خجستہ! یہ کیا کہتی ہے۔ دوستوں کی بات ماننا (ماننا) چاہیے کیوں کہ جو کہنا دوستوں کا نہیں مانتا، وہ خراب ہوتا ہے اور پشیمانی کھینچتا ہے۔''

(ب) ''میں آگے جاؤں گا تو جواہر کی کان پاؤں گا، یہاں کیوں رہوں۔'' یہ کہہ کر آگے چلا۔ جب قریب ایک کوس کے پہنچا، تب اس کا بھی مہرہ گرا۔ اسی طرح جو اس نے وہ جگہ کھودی تو لوہا نکلا۔ یہ حالت دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ میں نے کیوں سونے کو چھوڑا اور اپنے یار کا کہنا نہ مانا۔''

سوال ۵: ایسی کہانی بیان کیجیے جو سبق آموز ہو۔

☆ **داستان:** داستان طویل غیر اصلی قصے کو کہتے ہیں جو تفریحِ طبع کے لیے تخلیق کیا گیا ہو۔ دل چسپی، اثر انگیزی، حیرت و استعجاب داستان کے لازمی عناصر ہیں۔ داستان میں تخیل کی کار فرمائی، رومان کے رنگ اور مافوق الفطرت عناصر حیرت و استعجاب اور دل چسپی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ داستان انسان کی عجیب و غریب آرزوؤں اور تمناؤں کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی ثقافتی دستاویز بھی ہے۔

سرگرمیاں

۱- معلم کے مشورے سے طلبہ چند عمدہ داستانیں؛ کہانیاں پڑھ کر خود بھی کوئی قصہ تخلیق کریں گے۔

۲-استاد کے دیے گئے نئے الفاظ کے معنی اور اُن کے مترادف الفاظ طلبہ تھیسارس کے ذریعے تلاش کرنے کی مشق کریں گے۔

برائے اساتذہ

اس داستان کی ادبی قدر و قیمت بتا کر طلبہ سے گفتگو کیجیے تاکہ اُن کی تفہیمی صلاحیت بڑھے اور انھیں اپنی رائے کا اندازہ بھی ہو سکے۔

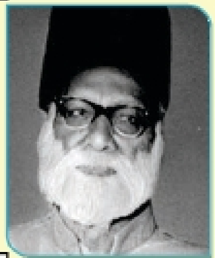

مولوی عبدالحق

پیدائش: ۱۸۷۰ء

وفات: ۱۹۶۱ء

تصانیف: چند ہم عصر، لغت کبیر، قدیم اردو

مولانا حسرت موہانی

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- سُن کر بات/ کہانی/ مکالمے وغیرہ کی جزئیات میں اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں حسبِ ضرورت کمی بیشی کر سکیں۔ ۲- کسی نثری تحریر پر تنقیدی گفتگو کر سکیں۔ ۳- مسائلِ زندگی پر کسی اخبار کے لیے موزوں مواد یعنی نیوز اسٹوری، فیچر، آرٹیکل یا مراسلہ وغیرہ تحریر کر سکیں۔

آزادی کا ایسا شیدائی کوئی کم ہو گا۔ اس کی خاطر انھوں نے طرح طرح کی مصیبتیں، ایذائیں، صعوبتیں جھیلیں۔ لیکن ان کے قدم میں کبھی لغزش نہ آئی۔ اپنے خیال کے اظہار میں نہایت بے باک، جس طرح انھوں نے کانگریس میں کامل آزادی کی آواز اُٹھائی، اِسی طرح مسلم لیگ میں بھی یہ نعرۂ حق بلند کیا۔ وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے بلکہ دوسروں پر چھا جاتے تھے۔ بھارت کی دستور ساز مجلس اور پارلیمنٹ میں بھی ان کی آزادی اور جرأت کا یہی رنگ تھا۔ بعض وقت ان کی للکار سے سردار پٹیل اور ان کے ساتھی گھبرا اُٹھتے تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنے خیالات میں اُلجھ جاتے اور متضاد باتیں کہہ جاتے۔ لیکن جلد راستے پر آ جاتے تھے۔ تصنع اور تکلف ان کو چھُو کر نہیں گیا تھا۔ ان کی زندگی انتہا درجے کی سادہ تھی۔ بالکل درویش صفت تھے۔ بعض اوقات وہ ہاتھ میں تھیلا لٹکائے اور بغل میں پوٹلی دبائے پیدل اسٹیشن کو جاتے نظر آتے تھے۔ وہ چھوٹے بڑے، امیر غریب سب سے بے تکلف ملتے اور بے تکلف باتیں کرتے۔ ان کے ہاں کوئی راز نہ تھا، سب کچھ کہتے چلے جاتے تھے۔ نہایت منکسر المزاج، حلیم الطبع اور ہمدرد تھے۔ کوئی ان کے پاس اپنی مصیبت یا بے انصافی کا دُکھڑا لے کر جاتا تو اُس کے لیے دوڑے دوڑے پھرتے اور لڑتے جھگڑتے تھے۔ رائے کے اختلاف سے ذاتی تعلق اور ملاقات میں کبھی فرق نہ آتا۔ ان معاملات میں وہ خوب بحث کرتے اور بعض اوقات شدّت کے ساتھ، لیکن ان کا دل صاف رہتا تھا۔ وہ ان لوگوں سے بھی جو سیاسی اُمور میں ان سے اختلاف رکھتے تھے، لُطف اور اَخلاق سے پیش آتے تھے۔ ان میں بعض ان کے دوست بھی تھے، باوجود اِس کے دوستی کا احترام کرتے تھے۔

سالہا سال تک ''اُردوے مُعلّیٰ'' ان کی ادارت میں نکلتا رہا۔ اس رسالے نے ادبی ذوق کے پھیلانے میں بڑا کام کیا۔ اس میں اچھے تنقیدی اور ادبی مضامین نکلتے رہے۔ اس کے علاوہ اس میں ایک بات یہ بڑی اچھی تھی کہ بعض ایسے اچھے شعرا کے کلام

کا انتخاب بھی چھپتا رہتا تھا جن کا کلام کبھی طبع نہیں ہوا تھا یا کبھی طبع ہوا تھا تو اب نایاب تھا۔ ہمارے ادیبوں میں بعض ایسے بھی تھے جیسے مولانا ابوالکلام آزادؔ یا مولانا ظفرؔ علی خاں جو ادب سے ہٹ کر سیاست کے میدان میں کُود پڑے۔ اُن کے اِس عمل سے سیاست کو تو کچھ فائدہ پہنچا نہیں، البتہ ادب کو نقصان پہنچ گیا۔ مولانا حسرتؔ ایسے ادیب تھے جنھوں نے باوجود اوّل سے آخر تک سیاست میں شور بور ہونے کے ادب کے دامن کو نہ چھوڑا اور جس طرح انھوں نے سیاست میں ہنگامہ برپا کر کے آزادی، حق گوئی اور جرأت کی بے نظیر مثال پیش کی۔ اسی طرح انھوں نے اپنے افکار و خیالات سے شعر کا درجہ بلند کر دیا۔ وہ سوائے شعر کے ہر چیز میں خواہ وہ زندگی کی سادگی ہو یا سیاست، انتہا پسند تھے۔ شعر میں انھوں نے اعتدال، متانت اور حُسنِ ذوق کو قائم رکھا۔ اردو شاعری پر ان کا بڑا احسان ہے اور اس سے ہماری شاعری میں ان کا خاص مقام ہے۔ ان کی وفات ہر اعتبار سے صدمۂ عظیم ہے لیکن ایک بات کا مجھے بہت زیادہ افسوس ہے، ان کے کتب خانے میں اردو کا بہت اچھا اور بیش بہا ذخیرہ ہے۔ بہت سے مخطوطات، پُرانے تذکرے، قدیم اساتذہ کا کلام، پرانے اخبار اور رسالے اور بہت سی ایسی مطبوعات ہیں جو، اب نایاب ہیں اور جو انھوں نے بڑی احتیاط اور محنت سے جمع کی تھیں۔ میں نے بارہا اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ اِس ذخیرے کو کسی ایسی جگہ محفوظ کر دیجیے کہ تلف ہونے سے بچ جائے۔ میں نے یہ بھی عرض کیا کہ اگر ان ذخیروں کو انجمنِ ترقیِ اُردو کو عنایت فرمادیں تو ہم انجمن کے کتب خانے میں ایک خاص حِصّہ آپ کی یادگار میں وقف کر دیں گے۔ انجمن اس کی قیمت دینے کو تیار ہے۔ وہ ہمیشہ وعدہ کرتے رہے لیکن کبھی ایفائے وعدہ کی نوبت نہ آئی۔ گزشتہ سال میں نے ایک صاحب کو کان پور میں اس کام کے لیے خاص طور پر متعین کیا۔ کام یابی نہ ہوئی، پچھلی مرتبہ جب وہ کراچی میں تشریف لائے تو پھر میں نے ان سے یہی عرض کیا۔ کہنے لگے کہ پچھلی مرتبہ برسات میں کچھ کتابیں خراب ہو گئی تھیں۔ درست کرا رہا ہوں اس کے بعد بھیج دوں گا۔ اب ان کے انتقال کے بعد نہ معلوم اس کا کیا حشر ہو گا۔

(ماخوذ از: چند ہم عصر)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) یہ خاکہ کس مشہور شخصیت کے بارے میں ہے؟

(ب) اس سبق میں کون کون سی مشہور شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے؟

(ج) حسرتؔ موہانی کا خاکہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

(د) رسالہ ''اُردوے مُعلّٰی'' نے مولانا حسرت موہانی کی ادارت میں کیا خدمات سرانجام دیں؟

(ہ) مولوی عبدالحق کی تحریر کی کوئی دو خوبیاں بیان کیجیے۔

سوال ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- مسلم لیگ جماعت تھی:

(الف) ہندوؤں کی (ب) سکھوں کی (ج) مسلمانوں کی (د) عیسائیوں کی

۲- سردار پٹیل گھبراتے تھے:

(الف) مولانا عبدالکلام آزاد سے (ب) مولوی عبدالحق سے

(ج) مولانا حسرتؔ موہانی سے (د) مولانا ظفر علی خان سے

۳- اُردوے مُعلّیٰ سے مضامین نکلتے تھے:

(الف) ادبی (ب) مزاحیہ (ج) سیاسی (د) سنجیدہ

۴- مولوی عبدالحق نے حسرت موہانی کو علمی ذخیرہ محفوظ کرنے کا مشورہ دیا تا کہ:

(الف) علمی ذخیرہ انجمن ترقی اردو کو مل جائے

(ب) انھیں اپنے علمی ذخیرے کی تباہی پر افسوس نہ ہو

(ج) انجمن سے قیمت وصول کرنا نہیں چاہتے تھے

(د) اردو زبان کا علمی ذخیرہ محفوظ ہو جائے

۵- مولوی عبدالحق کو مولانا حسرت موہانی کی وفات پر اس بات کا زیادہ افسوس تھا کہ:

(الف) رسالہ "اردوے مُعلّیٰ" کی ادارت اب کون کرے گا؟

(ب) اردو شاعری کو اب کون بلند کرے گا

(ج) اردو زبان اور سیاست کو کون فروغ دے گا

(د) ان کا ادبی سرمایہ ضایع ہو جائے گا

سوال ۳: درج ذیل اقتباسات کی تشریح مع سیاق و سباق کیجیے:

۱- بعض ایسے اچھے شعرا کا انتخابِ کلام بھی چھپتا رہتا تھا جن کا کلام کبھی طبع نہیں ہوا تھا۔ یا کبھی طبع ہوا تھا تو اب نایاب تھا۔

۲- اوّل سے آخر تک سیاست میں شور بور ہونے کے، ادب کے دامن کو نہ چھوڑا، اور جس طرح انھوں نے سیاست میں ہنگامہ برپا کر کے آزادی، حق گوئی اور جرأت کی بے نظیر مثال پیش کی، اسی طرح انھوں نے اپنے افکار و خیالات سے شعر کا درجہ بلند کر دیا۔

سوال ۴: اس خاکے میں کون کون سی خوبیاں ہیں ؟ انھیں تحریر کیجیے۔

سوال ۵: خاکہ نگاری کے بنیادی اصول ذہن میں رکھ کر کسی بھی شخصیت کا خاکہ لکھیے۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ اپنے ساتھیوں کو کوئی مختصر نثر پارہ سنا کر اُس کی خوبیوں سے آگاہ کریں گے۔

۲۔ طلبہ کسی اخبار یا جریدے کے لیے روز مرّہ مسائلِ حیات کے حوالے سے فیچر / آرٹیکل : مراسلہ / نیوز اسٹوری تحریر کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱۔ طلبہ کو کہانی، مکالمہ، خاکہ اور شخصیت نگاری کے متعلق معلومات فراہم کیجیے۔ نیز خاکہ لکھنے میں بھی مدد کیجیے۔

رشید احمد صدیقی

پیدائش: ۱۸۹۶ء

وفات: ۱۹۷۷ء

تصانیف: آشفتہ بیانی میری، گنج ہائے گراں مایہ، ہم نفسانِ رفتہ

سر اقبال مرحوم

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہوجائیں گے کہ: ۱- مذاکرے/ مباحثے اور اہم موضوعات پر تقاریر سُن کر اپنا اندازِ فکر بدل سکیں۔ ۲- دفتری احکام، یادداشتیں، مختلف فارم اور امتحانی فارم وغیرہ سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ۳- فنی اور فکری تجزیہ کر کے کسی ادبی یا علمی تحریر پر اپنی رائے دے سکیں اور متعلقہ صنف میں اس کے مقام کا تعین کر سکیں۔ ۴- کسی ادبی، علمی، سماجی یا صحافتی موضوع پر ترتیب، استدلال اور موزوں مثالوں سے مترادفات، اقوال، امثال، محاورات استعمال کرتے ہوئے کم از کم پانچ سو الفاظ کا مضمون تحریر کر سکیں۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

بڑی گرمی پڑ رہی تھی۔ دُور دراز کے سفر سے واپس آ رہا تھا۔ علی گڑھ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اُتر اہی تھا کہ ایک عزیز نے کہا: ڈاکٹر اقبال کا انتقال ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے لیے، بہت تھوڑی دیر کے لیے کچھ ایسا معلوم ہوا، جیسے پلیٹ فارم کی ہر چیز موجود تو ہے لیکن اس کی نہ کوئی آواز ہے اور نہ اس میں کوئی حرکت۔ یہ بات صرف ایک آن کے لیے تھی۔ آسیائے گردشِ ایام ایک آن کے لیے رک سی گئی لیکن فوراً ہی رواں ہوگئی۔ زندگی اپنے تمام ہنگاموں کے ساتھ رواں دواں نظر آنے لگی۔ مکان واپس آیا۔ نہ نہانا اچھا معلوم ہوا، نہ کھانے کا جی ہوا، جیسے نفس اپنے مطالبات چھوڑ بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے کمرہ بند کر کے لیٹ رہا۔

ذہن نے ماضی کے اَوراق ایک ایک کر کے پلٹنے شروع کر دیے۔ طفلی کا زمانہ یاد آیا، جب اقبال کے اشعار چھُٹ پنے کی دوستی کی طرح مزے دار اور جاں نثار معلوم ہوتے تھے اور خود اقبال کا یہ تصوّر تھا کہ وہ جو اشعار کہتے ہیں، اُنھی میں رہتے بستے ہیں۔ اقبال کی صورت وہی ہوگی، جو میرے اپنے تصوّرات کے عمل سے پیدا ہوئی تھی۔ بہت اچھی سی، بہت چاہے جانے والی۔

۱۹۲۵ء میں مَیں مرحوم سے ملنے لاہور گیا تھا۔ اقبالؔ کے کلام میں جو باتیں بچپن کے تجسّس میں دل چسپ معلوم ہوتی تھیں، اب تجزیے و تجربے کی زد میں ناقابلِ فہم معلوم ہونے لگی تھیں۔ میں صرف پڑھنے اور اپنے طور پر لطف لینے کی منزل سے گزر چکا تھا۔ اب پڑھانے کو پُر فکر و پُر لطف بنانے کا فرض عائد ہوتا تھا۔

غالباً دن کے نو دس بجے ہوں گے، میں مرحوم کی کوٹھی پر پہنچا، کپڑے پہن کر کسی مقدمے کی پیروی میں جانے کے لیے تیّار ہو رہے تھے۔ سیاہ عُقدہ (Bow) باندھتے، کالر دُرست کرتے ہوئے برآمد ہوئے۔ گٹھا ہوا جسم، چوڑی چکلی ہڈیاں، مردانہ انداز، آنکھوں کی ساخت اور مونچھوں کی وضع کسی قدر تُورانیوں جیسی، سُوٹ بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مسکرانے میں آنکھوں کے گوشوں میں جُھرّیاں پڑتی تھیں جن سے ذکاوت و ملاطفت کا اظہار ہوتا تھا۔ بڑی خُوش دلی اور شفقت سے ہاتھ ملایا اور کسی قدر دیر تک ہاتھ میں لیے رہے۔

تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں آ بیٹھے۔ علی گڑھ کا حال دریافت فرماتے رہے، آواز بھاری تھی لیکن بلند ہونے کے ساتھ ساتھ زور اور صفائی بڑھتی جاتی۔ میں نے اس خود اعتمادی کے ساتھ جس میں عالمانہ اور والہانہ دونوں انداز متوازی و متوازن ہوں، کم لوگوں کو گفتگو کرتے سُنا ہے۔ یہی بات مجھے ذاکر صاحب میں ملتی ہے۔ علامہ مرحوم کی باتیں سُنیے، بہ شرطے کہ وہ بات کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو فوراً محسوس ہو گا کہ ان کی باتیں صرف زبان سے نہیں ادا ہوتی تھیں اور وہ صرف اپنے الفاظ اور فقروں پر نہیں بھروسا کرتے تھے، بلکہ وہ باتیں کہیں دُور سے اور بڑی گہرائی سے آتی تھیں۔ اُن کی گفتگو حشو و زوائد سے قطعًا پاک ہوتی تھی کہ وضاحت و جامعیت بہ جائے خُود صنائع و بدائع معلوم ہونے لگتی تھی۔ گفتگو کرنے میں اُن کی آنکھیں نصف سے بھی کچھ کم کھلی رہتی تھیں۔ البتہ جب گفتگو میں گرمی اور روانی پیدا ہو جاتی تھی تو آنکھیں پُوری کھل جاتی تھیں اور چہرے پر گرمی و روشنی جھلکنے لگتی تھی۔

اُسی دن شام کو دوسری ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے اُس دن ایک نوجوان شاعر آ گئے جو کچھ دیر تک اپنا فارسی کلام سُناتے رہے۔ اُن کی شاعری اور لہجے دونوں پر جدید ایرانی رنگ غالب تھا۔ کچھ اور لوگ بھی آ گئے۔ نوجوان کی گفتگو میں تعلّی زیادہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی مسلسل خاموشی کسی قدر بے زاری میں تبدیل ہونے لگی تھی۔ کچھ دیر تو بیٹھے رہے، اُس کے بعد اُٹھ کھڑے ہوئے، صحبت ختم ہو گئی۔

صرف دو چار اصحاب بیٹھے رہ گئے۔ اندر سے دیر میں برآمد ہوئے۔ چہرے پر اب بھی اِنقباض طاری تھا۔ تھوڑی دیر تک حقّے کا ٹھہر ٹھہر کر کش لیتے رہے، اس کے بعد فرمایا، نعمت کے مطابق انسان کو ظرف نصیب نہ ہو تو نعمت،

لعنت بن جاتی ہے۔ اُس کے بعد کچھ اور لوگ آ گئے۔ اب طبیعت بہ حال ہو گئی۔ ہر ایک سے پُرسشِ حال کرتے وہ بھی اس طور پر نہیں کہ موسم اچھا ہے یا بُرا۔ رسمی باتیں تو وہ کرنا ہی نہیں جانتے تھے۔ ہر ملنے والے سے اُس کے مشاغل اور اُس کا مقصود دُکھ سکھ سنتے۔ لوگ مرحوم کے حلقے میں معتقدین کی حیثیت سے ڈرے سہمے ہوئے نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ محبّت اور بے تکلّفی کی فضا ہوتی تھی۔ ہر شخص مرحوم کی باتیں بڑی گہری توجّہ سے سُنتا اور خود بھی بے تکلّفی سے اپنی سُناتا۔

دوسرے دن پھر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آج کہیں جانا نہ تھا۔ اس لیے بڑے اطمینان اور بے تکلّفی سے باتیں شروع کیں۔ اُس زمانے میں اقبال کے نظریۂ فَوقُ البشر کا بڑا چرچا تھا۔ بعض باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں، اس لیے اس پر میں نے خاص طور پر اپنے شبہات کا اظہار کیا۔ مرحوم نے بڑے ہی عالمانہ انداز سے اور انتہائی خُوش دلی اور خُود اعتمادی کے ساتھ جو اُن کی سیرت کا بڑا ہی گراں قدر پہلو تھا، اظہارِ خیال کرنا شروع کیا۔ مجھے اس وقت جو چیز سب سے عزیز اور خُوش آیند معلوم ہوئی، وہ یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو مرحوم اس خوبی سے واضح کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا جیسے متنازع فیہ مسئلے میں کوئی کشیدگی تھی ہی نہیں۔ عالمانہ و مخلصانہ نقطۂ نظر کی یہ کرامت ہے کہ ناگہانی پیچیدگیوں اور نامعلوم مسائل کا حل بڑی آسانی سے سامنے آجاتا ہے۔

مرحوم کو صرف شاعر سمجھ لینا یا یہ کہ اُن کے خیالات یا تصوّرات تمام کے تمام اُن کے کلام میں مقید ہو چکے ہیں، بڑی غلطی ہے۔ مرحوم کی فکر و نظر کا بہت کم حِصّہ اُن کے کلام میں منتقل ہوا ہے۔ وہ بہت کچھ جانتے تھے اور یہی نہیں، بلکہ اکثر کچھ ایسا بھی محسوس ہوا جیسے بعض بالکل ہی نئی باتیں دورانِ گفتگو میں اُن پر کسی کوشش کے بغیر منکشف ہو گئیں۔

اکثر یہ خیال آتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب جس تکلیف میں مبتلا رہ کر عالمِ بقا کو سدھارے، کاش کسی وقت میں حاضرِ خدمت ہو کر ان کے لیے وہ کر سکتا تھا، جو اُنھوں نے میرے لیے کیا تھا۔ پھر سوچتا ہوں ڈاکٹر صاحب بہت بڑے شخص تھے، ان کو مجھ جیسا معمولی شخص کیا تسکین یا تشفّی دے سکتا تھا۔ وہ خاصانِ بارگاہ میں سے تھے، ان کا خُدا سے خاص تعلق تھا لیکن اس بات سے طبیعت مطمئن نہیں ہوتی۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ گو معجزے کا زمانہ نہیں رہا، لیکن محبت و خلوص میں اب بھی بڑی کرامتیں پوشیدہ ہیں۔ دوسروں کی وہ کون سی تکلیف ہے، جس کو میں یا آپ محبت سے کچھ اور نہیں تو تھوڑی دیر کے لیے زائل نہیں کر سکتے۔

(ماخوذ از: گنجِ ہائے گراں مایہ)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ڈاکٹر اقبال کے انتقال کی خبر سُن کر مصنف کا ردِ عمل کیا تھا؟

(ب) مصنف نے علامہ اقبال کی گفتگو کی کون کون سی خوبیاں بیان کی ہیں؟

(ج) علامہ اقبالؔ کی شخصیت اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

(د) علامہ اقبالؔ نے مصنف سے ملاقات میں کن موضوعات پر گفتگو کی تھی؟

(ہ) کون سی خصوصیت کو مصنف نے شاعر کی بڑائی قرار دیا ہے؟

(و) علامہ اقبالؔ کا کلام عام شاعروں سے کیوں مختلف نظر آتا ہے؟

سوال ۲: اس سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- مصنف کو علی گڑھ اسٹیشن پر انتقال کی خبر ملی:

(الف) سر سیّد احمد خان کے (ب) ڈاکٹر اقبالؔ کے (ج) شبلی نعمانی کے (د) اکبر الٰہ آبادی کے

۲- مصنف، ڈاکٹر اقبالؔ سے ملاقات کے لیے گئے تھے:

(الف) کراچی (ب) لاہور س (ج) پشاور (د) ملتان

۳- علامہ اقبالؔ سے مصنف کی پہلی ملاقات ہوئی:

(الف) ۱۹۲۴ء میں (ب) ۱۹۲۵ء میں (ج) ۱۹۲۶ء میں (د) ۱۹۲۷ء میں

۴- علامہ اقبال محفل سے اُٹھ کر چلے گئے کیوں کہ:

(الف) کافی دیر سے بیٹھے تھے (ب) صرف مہمان شاعر ہی بولے جا رہے تھے

(ج) وہ شاعر نو عمر تھے (د) نوجوان شاعر تعلّی سے گفتگو کر رہے تھے

۵- ''علامہ اقبال کو صرف شاعر سمجھ لینا غلطی ہے'' مضمون نگار نے یہ بات کہی ہے۔ کیوں کہ:

(الف) ان کا نثری سرمایہ بھی عظیم ہے (ب) فکر و نظر کا کم حصہ کلام میں منتقل ہوا ہے

(ج) وہ صرف بہترین شاعر تھے (د) وہ فارسی سے متعلق کم جانتے تھے

۶۔ زمانۂ طفلی میں علامہ اقبال کے اشعار معلوم ہوتے تھے:

(الف) مشکل (ب) آسان

(ج) مزے دار اور جاں نثار (د) ان میں سے کوئی نہیں

سوال ۴: درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالۂ متن کیجیے:

(الف) ''نعمت کے مطابق انسان کو ظرف نصیب نہ ہو تو نعمت، لعنت بن جاتی ہے۔''

(ب) ''معجزے کا زمانہ نہیں رہا، لیکن محبت و خلوص میں اب بھی بڑی کرامتیں پوشیدہ ہیں۔''

سوال ۵: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

چھُٹ پنے – تجسّس – تجزیہ – تجربہ – حشو وزوائد – گراں قدر – منکشف – عالمِ بقا

سوال ۶: ''میری پسندیدہ شخصیت'' کے عنوان پر پانچ سو الفاظ پر مبنی مضمون تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ جماعت میں کسی عنوان پر مباحثے کا اہتمام کریں گے۔

۲۔ بینک چالان، داخلہ فارم اور امتحانی فارم پُر کرنے کا عملی مظاہرہ کریں گے۔

۳۔ سبق کے بارے میں اپنی رائے تحریر کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱۔ طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کیجیے اور حسبِ ضرورت ان کی مدد کیجیے۔

۲۔ مشہور اور کام یاب شخصیات پر مضامین کے مطالعے کی ترغیب دیجیے۔

۳۔ مختلف دفتری اُمور سے متعلق فارم پُر کرنے میں طلبہ کی مدد کیجیے۔

ڈاکٹر اسلم فرخی

پیدائش: ۱۹۲۳ء

وفات: ۲۰۱۶ء

تصانیف: بچوں کے ڈپٹی نذیر احمد، مولانا حسرت موہانی، گل دستۂ احباب

چمنے کہ تا قیامت....[۱]

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- نسبتاً اعلیٰ استحسانی اور تنقیدی گفتگو سن کر اپنی رائے قائم کر سکیں۔ ۲- کسی ادارے میں منتخب ہونے کے لیے مستقبل سازی پر مبنی سوالات کا جواب دے سکیں۔
۳- روزمرّہ معاملاتِ زندگی کے حوالے سے مختلف قسم کی رسیدیں لکھ سکیں۔ (رسیدِ کرایہ، رسیدِ خرید و فروخت وغیرہ)

۱۹۵۰ء میں مجھے شوق ہوا کہ اردو میں بھی ایم-اے کیا جائے۔ اس زمانے میں ایم-اے کی تدریس کالجوں میں ہوتی تھی۔ یونی ورسٹی میں کوئی انتظام نہیں تھا۔ اردو کالج کا شعبۂ اردو اساتذہ کے اعتبار سے بڑا شان دار تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب صدرِ شعبہ تھے۔ میں نے ایک ایسے دوست سے جو ڈاکٹر صاحب کے ہم وطن اور موصوف کے ایک کرم فرما کے صاحب زادے تھے، خواہش ظاہر کی کہ مجھے موصوف سے ملا دیں۔ چناں چہ ایک شام ہم دونوں اردو کالج گئے۔ پھاٹک ہی میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی: لمبا قد لیکن بر بنائے انکسار خم، دُہرا بدن کہ طلبِ علم و ریاضت میں خستگی سے محفوظ رہے۔ گول چہرہ دائرۂ شریعت کی حدود کا ترجمان، آنکھوں میں شرم و حیا اور معرفت کی قندیلیں روشن۔ "سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ"[۲] رعونت کی سرکوبی کے لیے تُرکی ٹوپی سے مزیّن سر پر حلق کے آثار۔ محاسن میں پاکیزگی کا حُسن، گندمی رنگ میں طمانیت کی جھلک، معمولی سوتی شیروانی، علی گڑھ کٹ پاجامہ، پاؤں میں سادہ سی گرگابی، میرے دوست انھیں دیکھ کر ٹھہر گئے۔ ادب سے سلام کیا۔ مجھ سے کہا "ڈاکٹر صاحب سے ملو"۔ یہاں اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے کہ تعلق ان دنوں ریڈیو سے تھا، جس کے گلیمر کا چرچا کچھ زیادہ ہی تھا۔ تو یہ ہیں ڈاکٹر صاحب، خیر چلو یوں ہی سہی، کچھ دنوں درویشوں کی صحبت ہی میں سہی، ممکن ہے تم بھی فیضانِ نظر سے راہِ راست پر آجاؤ ورنہ ایسے بگڑے کہیں سنبھلتے ہیں!

۱۔ چمنے کہ تا قیامت گل او بہ بار بادا (ترجمہ: آپ ایک چمن ہیں کہ تا قیامت اس میں پھول اور بہار رہے) (مولانا جلال الدین رومیؒ)
۲۔ ترجمہ: "سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں۔" (سورۃ الفتح: ۲۹)

کلاس شروع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے لسانیات کا پرچہ شروع کیا۔ نیا مضمون، مشکل اور اَدق مگر پہلے ہی دن یہ اندازہ ہو گیا کہ ڈاکٹر صاحب اس جدید علم پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ احمد ہمدانی، سید کریم الدین، اکبر کاظمی ہم درس تھے۔ سب ڈاکٹر صاحب کے تبحرِ علمی سے مسحور ہو گئے۔ پھر جب ڈاکٹر صاحب نے موؔمن کا ایک قصیدہ شروع کیا تو اپنی سطحی لیاقت کا بھرم بھی کھُل گیا۔ بڑا ناز تھا کہ فارسی پر بڑا عبور ہے اور ''اردو تو خانہ زاد مرے آشیاں کی ہے''مگر وہ نعتیہ قصیدہ:

زبانِ لال کہاں اور مدیحِ تاجِ خُروس

گرا ہے خاک پہ کیا تاجِ افسرِ کاؤس

ڈاکٹر صاحب نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ لیاقت کسے کہتے ہیں اور علم کس چڑیا کا نام ہے۔ عافیت اسی میں نظر آئی کہ بڑ بڑ کرنے کے بہ جائے کلاس میں خاموش بیٹھو۔ زیادہ سے زیادہ استفادے کی کوشش کرتے رہو۔ ادھر دُور رہنے میں عافیت کے آثار، اُدھر ڈاکٹر صاحب کے لُطف و کرم کی یہ ارزانی کہ کلاس کے بعد روزانہ چائے نوشی اور علمی گفتگو۔

مجھے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اتنی دل پذیر معلوم ہوئی کہ میں نے برادرم وؔجد چغتائی کو جو اسلامیہ کالج میں ایم-اے فائنل کے طالب علم اور ریڈیو میں میرے ساتھی تھے، اردو کالج گھسیٹ لیا۔ ہم دونوں ایک دن ہمت کر کے ڈاکٹر صاحب کے دولت کدے پر بھی پہنچ گئے۔ معلوم ہوا صوفی صاحب کے یہاں گئے ہیں۔ تین چار دفعہ یہی اتفاق ہوا۔ چغتائی ان دنوں جہانگیر روڈ پر رہتے تھے۔ اکثر اطلاع دیتے: ڈاکٹر صاحب سائیکل پر چلے جا رہے تھے۔ آخر کار ایک دن ملاقات ہو گئی۔ یہاں ڈاکٹر صاحب بالکل بزرگِ خاندان کی حیثیت سے پیش آئے۔ چائے تو خیر معمولی بات ہے، شام کو بہت کم ایسا ہوا کہ ہم لوگ بغیر کھانا کھائے واپس آئے ہوں۔ کوئی تکلف نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے خود ہی دستر خوان بچھایا۔ سالن، روٹی، دال، سبزی لائے، سب نے بڑے سکون سے سیر ہو کر کھایا۔ مگر ڈاکٹر صاحب اپنے لیے قلتِ طعام کے قائل ہیں۔ خود کم کھاتے ہیں، دوسروں کی تواضع زیادہ کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی یہی ہوتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ہر چیز ہماری طرف بڑھا رہے ہیں اور اصرار کر رہے ہیں۔ ایک شام میں حاضر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب تنہا تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے اندر گئے، پھر چائے کی دو پیالیاں لیے ہوئے باہر تشریف لائے۔ میں نے دریافت کیا کہ اُستانی اور ہاجرہ تو ہیں نہیں، چائے کیسے بن گئی؟ ارشاد ہوا: میں نے بنائی ہے۔ میں حیرت سے ڈاکٹر صاحب کو دیکھتا رہ گیا۔ ایک ادنیٰ شاگرد کے لیے یہ اہتمام۔

کالج میں ڈاکٹر صاحب شفیق اور ہنس مکھ استاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ زہد و ورع اور تقویٰ اپنی جگہ مگر طلبہ اور اساتذہ کے کرکٹ میچ میں لڑکوں نے ڈاکٹر صاحب کے پیروں میں پیڈ بھی باندھے اور ڈاکٹر صاحب نے ہنسی خوشی کریز میں کھڑے ہو کر بلا گھمایا۔

ایک بار سندھ کے کسی کالج کے ایک استاد مجھ سے ملنے آئے، کچھ تحقیقی کام کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا حوالہ دیا، چند کتابیں درکار تھیں۔ میں نے خوشی خوشی کتابیں ان کے حوالے کر دیں۔ بہت دن گزر گئے کتابیں واپس نہ پہنچیں۔ ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا کہ بہت دن ہوئے فلاں صاحب آپ کے حوالے سے کچھ کتابیں لے گئے تھے۔ فرمایا میں انھیں

جانتا نہیں ہوں، تاہم اگر میرے حوالے سے کسی کا بھلا ہو جائے تو کیا مضایقہ ہے! پھر کہا: بہ مقدور ہر شخص کی مدد کرنا چاہیے۔ آپ جس کی مدد کریں گے ممکن ہے کہ وہ آیندہ کسی اور کی مدد کرے اور سلسلہ جاری رہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے بزرگوں کا غیر معمولی احترام کرتے ہیں۔ والدہ جب تک حیات رہیں انھیں کے ساتھ رہیں، بڑی خدمت کرتے تھے ڈاکٹر صاحب۔ ڈاکٹر صاحب کے برادر بزرگ مزاج کے خاصے کڑوے تھے، مگر ڈاکٹر صاحب ان کا اتنا احترام کرتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ میں نے دونوں بھائیوں کو یک جا دیکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہیں کہ بچھے جا رہے ہیں، بھائی صاحب ہیں کہ اپنی جگہ چھوٹے بھائی کی عظمت کو سمجھ رہے ہیں مگر خاموش ہیں۔

خندہ جبینی بزرگوں کا شِعار ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے یہاں خَندہ جَبینی بھی ہے اور حسِ مزاح کا لطیف اظہار بھی۔ ایک دوست کی بہن کے لیے سندھ یونی ورسٹی کے ایک استاد کا رشتہ آیا۔ رقعے کے مطابق وہ صاحب پروفیسر بھی تھے اور ڈاکٹر بھی۔ دوست نے مجھ سے معلومات کے لیے کہا۔ یہاں مُلّا کی دوڑ مسجد تک، ڈاکٹر صاحب کو خط لکھ دیا۔ تیسرے دن جواب آیا ''میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان صاحب کو پی-ایچ-ڈی بھی کرا دے، پروفیسر بھی بنوا دے اور دوسری شادی بھی انھیں راس آئے۔'' کیا لطیف پیرایہ ہے، ہنسی ہنسی میں سب کچھ ہے۔ کوئی شدّت، طنز یا دُرشتی نہیں۔

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ ڈاکٹر صاحب جس موضوع سے واقف نہیں یا جس موضوع سے انھیں دل چسپی نہیں، اُس کے بارے میں کبھی گفتگو نہیں کرتے۔ صاف کہہ دیتے ہیں: ''بھائی! میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' افسانوی ادب کے بارے میں جب بھی بات چِھڑی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ''میرا یہ میدان نہیں، بہتر ہے آپ کسی اور سے رہ نمائی حاصل کر لیجیے۔'' بہ ظاہر یہ بات بہت عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہم تو بہ زعمِ خویش ہمہ دانی اور ہمہ اوست کے نظریے پر عامل ہیں مگر ڈاکٹر صاحب ہیں کہ ہمہ از وست کہہ کر دامن بچا لیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا لباس ہمیشہ سادہ رہا۔ سادہ شیروانی، سفید کرتا یا قمیص، لٹھے کا پاجامہ، شیروانی کے کپڑے میں کوئی اہتمام نہیں۔ مدّتوں ترکی ٹوپی پہنی، اب کپڑے کی ٹوپی پہنتے ہیں۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں، دوسروں کو زحمت نہیں دیتے۔ ایک دن دوپہر کو میرے یہاں قدم رنجہ فرمایا، پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد غسل خانے تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد میں غسل خانے میں گیا تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نے بنیان دھو کر لٹکا دی ہے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا: آپ نے کیوں زحمت فرمائی، خدمت کے لیے ہم لوگ موجود ہیں۔ ارشاد ہوا: اپنا کام خود کرنا چاہیے، دوسروں کو زحمت دینا اچھا نہیں لگتا۔ ڈاکٹر صاحب کی سادگی اور انکساری کی کیفیت تو یہ ہے کہ ایک دفعہ میں نے ان کے لیے رکشا روکا۔ آپ نے سفید داڑھی والے معمر رکشا ڈرائیور کو دیکھا تو فرمایا: ''دین دار آدمی معلوم ہوتا ہے'' اور بڑھ کر اُسے سلام کیا۔ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ سلام میں سبقت فرماتے تھے۔ بہ ظاہر یہ چھوٹی سی بات ہے مگر اسی چھوٹی سی بات سے انسان کے کردار اور مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔

(ماخوذ از: گل دستۂ احباب)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اس سبق میں کس شخصیت کا ذکر کیا گیا ہے؟

(ب) ڈاکٹر صاحب کا حلیہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

(ج) ڈاکٹر صاحب کا طریقۂ تدریس کس طرح کا تھا؟ مفصل تحریر کیجیے۔

(د) ڈاکٹر صاحب کی سخاوت کا کوئی ایک واقعہ تحریر کیجیے۔

(ہ) ڈاکٹر صاحب نے خط کا جواب کس انداز میں دیا؟

سوال ۲: اس سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- اسلامیہ کالج سے اردو کالج میں داخلہ ہوا:

(الف) وجد چغتائی کا (ب) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا

(ج) اُستانی ہاجرہ کا (د) ارم لکھنوی کا

۲- زہد و ورع کا مطلب ہے:

(الف) علم و عمل (ب) پرہیز گاری اور اللہ کا خوف

(ج) علم و یقین (د) تقویٰ و عبادت

۳- مصنف مضمون، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب سے متاثر ہوئے:

(الف) طلبہ پر لطف و کرم سے (ب) سادگی سے (ج) گھر پر مہمان نوازسے (د) علم وتدریس سے

۴- "بھرم کھلنا" ہے:

(الف) ضرب المثل (ب) محاورہ (ج) کہاوت (د) روزمرہ

۵- ''ہمہ اُوست'' اور ''ہمہ از اُوست'' سے مراد ہے:

(الف) اپنی علمیت کا رعب جھاڑنا (ب) فارسی زبان دانی کا اظہار کرنا

(ج) اپنی انکساری و عاجزی کا اظہار کرنا

(د) حضرت مجدد الف ثانی اور ابن عربی کے تخلیق و وجود کائنات کے فلسفے

سوال ۴: درج ذیل الفاظ اور تراکیب جملوں میں استعمال کیجیے:

فیضانِ نظر - مسحور - سیر ہونا - قلتِ طعام - خندہ جبینی

☆ رسید کسی چیز یا رقم وغیرہ کی وصولیاتی کی باضابطہ تحریر کو کہتے ہیں جس میں رقم وصول پانے والے کے دستخط ہوں۔ ذیل میں نمونے کے طور پر ایک رسید لکھی جاتی ہے۔

روپے وصول کرنے کی رسید:

باعث تحریر آنکہ

مبلغ ایک لاکھ روپے نصف جس کے پچاس ہزار ہوتے ہیں ازاں محمد احمد ولد خورشید احمد ساکن کورنگی، کراچی بابت قیمت موٹر سائیکل وصول پاکر رسید لکھ دی تاکہ سند رہے اور بہ وقت ضرورت کام آئے۔

محررہ ۲۳ مارچ ۲۰۲۳ء

العبد

محمد انور

رہایش ناظم آباد، کراچی

(دستخط)

گواہان

(۱) عبداللہ شفیع ولد افتخار شفیع ساکن ناظم آباد، کراچی

(دستخط)

(۲) مبین احمد ولد رشید احمد ساکن ناظم آباد، کراچی

(دستخط)

سوال ۵: مکان کی قیمت وصول کرنے کی رسید تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ اس سبق کے انتخاب کے بارے میں اپنی رائے تحریر کریں گے۔
۲- اپنی پسندیدہ شخصیت سے انٹرویو کے لیے ایک سوال نامہ بنائیں گے۔
۳- استاد کی رہ نمائی میں طلبہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر "مستقبل کی کام یابی کا راز" پر مبنی مباحثہ کریں گے تاکہ آیندہ ملازمت کے عرصے میں انھیں کام یابی حاصل ہو سکے۔

برائے اساتذہ

۱- شخصیت کے انتخاب میں طلبہ کی مدد کیجیے۔
۲- طلبہ کو اس سبق کی خوبیوں کے بارے میں بتائیے۔

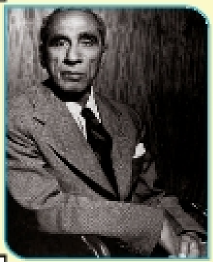

پطرس بخاری

پیدائش: ۱۸۹۸ء

وفات: ۱۹۵۸ء

تصانیف: خطباتِ پطرس، پطرس کے مضامین، تخلیقاتِ پطرس

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- ریڈیو/ موبائل/ ٹی وی یا ٹیبلٹ وغیرہ کے پروگرام سن کر اہم پہلوؤں کا ادراک کر سکیں۔ ۲- کسی علمی/ ادبی شخصیت سے ادبی و علمی موضوعات پر سوالات کر سکیں۔ ۳- ذاتی سفر نامہ تحریر کر سکیں۔

گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف دوڑتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالا کرپا شنکر جی برہم چاری سے بر سبیلِ تذکرہ کہہ بیٹھے کہ "لالا جی! امتحان کے دِن قریب آتے جاتے ہیں، آپ سحر خیز ہیں، ذرا ہمیں بھی جگا دیا کیجیے۔"

وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔ دوسرے دن اُٹھتے ہی انھوں نے ایشوَر کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مُکّا بازی شروع کر دی۔ کچھ دیر تک تو ہم سمجھے کہ عالمِ خواب ہے۔ ابھی سے کیا فکر، جاگیں گے تو لاحول پڑھ لیں گے۔ لیکن یہ گولہ باری لحہ بہ لحہ تیز ہوتی گئی اور صاحب جب کمرے کی چوبی دیواریں لرزنے لگیں، صُراحی پر رکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کلینڈر پنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بیداری کا قائل ہونا ہی پڑا۔ مگر اب دروازہ ہے کہ لگاتار کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا میرے آباواجداد کی روحیں اور میری قسمتِ خوابیدہ تک جاگ اُٹھی ہوں گی۔ بہتیرا آوازیں دیتا ہوں..... "اچھا!..... اچھا!..... تھینک یُو!..... جاگ گیا ہوں..... بہت اچھا! نوازش ہے!" آں جناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدایا کس آفت کا سامنا ہے؟ یہ سوتے کو جگا رہے ہیں یا مُردے کو جِلا رہے ہیں؟ اور حضرت عیسٰیؑ بھی تو بس واجبی طور پر ہلکی سی آواز میں "قُم" کہہ دیا کرتے ہوں گے۔ زندہ ہو گیا تو ہو گیا، نہیں تو چھوڑ دیا۔ کوئی مُردے کے پیچھے لٹھ لے پڑ جایا کرتے تھے؟ توپیں تھوڑی داغا کرتے تھے۔ یہ تو بھلا ہم سے کیسے ہو سکتا تھا کہ اُٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول دیتے۔ پیش تر اس کے کہ بستر سے باہر نکلیں، دل کو جس قدر سمجھانا بجھانا پڑتا ہے، اس کا اندازہ کچھ اہلِ ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لیمپ جلایا اور ان کو باہر سے روشنی نظر آئی، تو طوفان تھما۔

اب جو ہم کھڑکی میں سے آسمان کو دیکھتے ہیں تو جناب ستارے ہیں کہ جگمگا رہے ہیں! سوچا کہ آج پتا چلائیں گے، یہ سورج آخر کس طرح سے نکلتا ہے۔ لیکن جب گھوم گھوم کر کھڑکی میں سے اور روشن دان میں سے چاروں طرف دیکھا اور بزرگوں سے صبحِ کاذِب کی جتنی نشانیاں سنی تھیں، ان میں سے ایک بھی کہیں نظر نہ آئی، تو فکر سا لگ گیا، کہ آج کہیں سورج گرہن نہ ہو؟ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پڑوسی کو آواز دی: ''لالا جی!....... لالا جی!''

جواب آیا۔ ''ہوں''۔

میں نے کہا'' آج یہ کیا بات ہے۔ کچھ اندھیرا اندھیرا سا ہے؟''

کہنے لگے ''تو اور کیا تین بجے ہی سورج نکل آئے؟''

تین بجے کا نام سن کر ہوش گم ہوگئے۔ چونک کر پوچھا: ''کیا کہا تم نے؟ تین بجے ہیں؟''

کہنے لگے: ''تین...... تو...... نہیں...... کچھ سات...... ساڑھے سات...... منٹ اوپر تین ہیں۔''

میں نے کہا: ''ارے کم بخت، خُدائی فوج دار، بد تمیز کہیں کے، میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا، یا یہ کہا تھا، کہ سِرے سے سونے ہی نہ دینا؟؟ ہمیں تو نے کوئی ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے؟ تین بجے ہم اُٹھ سکا کرتے تو اس وقت دادا جان کے منظورِ نظر نہ ہوتے؟ ابے احمق کہیں کے، تین بجے اُٹھ کے ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟ امیر زادے ہیں، کوئی مذاق ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ۔''

دِل تو چاہتا تھا کہ عدم تشدّد و تشدّد کو خیر باد کہہ دوں، لیکن پھر خیال آیا، بنی نوعِ انسان کی اصلاح کا ٹھیکا کوئی ہم ہی نے لے رکھا ہے؟ ہمیں اپنے کام سے غرض۔ لیمپ بُجھایا اور بڑبڑاتے ہوئے پھر سو گئے۔

اور پھر حسبِ معمول نہایت اطمینان کے ساتھ بھلے آدمیوں کی طرح اپنے دس بجے اُٹھے، بارہ بجے تک منھ ہاتھ دھویا اور چار بجے چائے پی کر ٹھنڈی سڑک کی سیر کو نکل گئے۔

شام کو واپس ہاسٹل میں وارد ہوئے۔ جوشِ شباب تو ہے ہی، اس پر شام کا ارمان انگیز وقت۔ ہوا بھی نہایت لطیف تھی، طبیعت بھی ذرا مچلی ہوئی تھی۔ ہم ذرا ترنگ میں گاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے کہ اتنے میں پڑوسی کی آواز آئی: ''مسٹر!''

ہم اس وقت ذرا چٹکی بجانے لگے تھے۔ بس انگلیاں وہیں پر رُک گئیں اور کان آواز کی طرف لگ گئے۔ ارشاد ہوا: ''یہ آپ گا رہے ہیں؟'' (زور ''آپ'' پر)

میں نے کہا: ''اجی میں کس لائق ہوں، لیکن خیر فرمایئے؟''

بولے: ''ذرا...... وہ میں...... میں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔''

بس صاحب، ہم میں جو موسیقیت کی روح پیدا ہوئی تھی؟ فوراً مر گئی۔ دل نے کہا ''او نابکار انسان دیکھ! پڑھنے والے یوں پڑھتے ہیں۔'' صاحب، خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگی کہ ''خدایا ہم بھی اب باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے والے

ہیں۔ ہماری مدد کر اور ہمیں ہمت دے۔"

آنسو پونچھ کر اور دِل کو مضبوط کر کے میز کے سامنے آ بیٹھے، دانت بھینچ لیے، نکٹائی کھول دی، آستینیں چڑھا لیں، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کریں کیا؟ سامنے سُرخ، سبز، زرد سبھی قسم کی کتابوں کا انبار لگا تھا۔ اب ان میں سے کون سی پڑھیں؟ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے کتابوں کو ترتیب سے میز پر لگا دیں کہ باقاعدہ مطالعے کی پہلی منزل یہی ہے۔

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ سویرے اُٹھنا ہو تو جلدی ہی سو جانا چاہیے۔ کھانا باہر ہی کھا آئے تھے۔ بستر میں داخل ہو گئے۔

چلتے چلتے خیال آیا، کہ لالا جی سے جگانے کے لیے کہہ ہی نہ دیں۔ یوں ہماری اپنی قُوتِ ارادی کافی زبردست ہے، جب چاہیں اُٹھ سکتے ہیں، لیکن پھر بھی کیا ہرج ہے؟ ڈرتے ڈرتے آواز دی "لالا جی!"

انھوں نے پتھر کھینچ مارا "یَس!"

ہم اور بھی سہم گئے کہ لالا جی کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ تُتلا کے درخواست کی، کہ "لالا جی، صبح آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ کل اگر ذرا مجھے چھے بجے یعنی جس وقت چھے بجیں......"

جواب ندارد۔

میں نے پھر کہا: "جب چھے بج چکیں تو...... سنا آپ نے؟"

چُپ۔

"لالا جی!"

کڑکتی ہوئی آواز میں جواب دیا: "سُن لیا سُن لیا، چھے بجے جگا دوں گا۔"

ہم نے کہا "ب-ب-ب-بہت اچھّا۔ یہ بات ہے۔"

توبہ، خدا کسی کا محتاج نہ کرے۔

لالا جی آدمی بہت شریف ہیں۔ اپنے وعدے کے مطابق دوسرے دن صبح چھے بجے اُنھوں نے دروازوں پر گھونسوں کی بارش شروع کر دی۔ ان کا جگانا تو محض ایک سہارا تھا، ہم تو خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہو لے تو بس جاگتے ہیں۔ وہ نہ جگاتے تو میں خود ایک دو منٹ بعد آنکھیں کھول دیتا۔ بہ ہر صورت جیسا کہ میرا فرض تھا، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے اسے اس شکل میں قبول کیا، کہ گولہ باری بند کر دی۔

لیکن لالا جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے پیش تر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ نہیں، ہمارا خیال ہے، پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے ہوں۔ بہ ہر صورت یہ نفسیات کا مسئلہ ہے، جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہ میں۔ کیا پتا، لالا جی نے جگایا ہی دس بجے ہو۔ یا اُس دن چھے دیر میں بجے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم، آپ کیا دخل دے سکتے ہیں؟ لیکن ہمارے دل میں دن بھر یہ شبہ رہا، کہ قصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب شرافت ملاحظہ ہو، کہ محض اس شبے کی بنا پر صبح سے شام تک ضمیر کی ملامت سنتا رہا، اور اپنے آپ کو کوستا رہا۔ مگر لالا جی سے ہنس ہنس کر باتیں کیں۔ ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور

اس خیال سے کہ اُن کی دِل شکنی نہ ہو، حد درجے کی طمانیت ظاہر کی، کہ آپ کی نوازش سے میں نے صبح کا سہانا اور رُوح افزا وقت بہت اچھی طرح صَرف کیا۔ ورنہ ان دنوں کی طرح آج بھی دس بجے اُٹھتا۔ "لالا جی! صبح کے وقت دماغ کیا صاف ہوتا ہے، جو پڑھو خدا کی قسم فوراً یاد ہو جاتا ہے۔ بھئی خدا نے صبح بھی کیا عجیب چیز پیدا کی ہے۔ یعنی اگر صبح کی بہ جائے صبح صبح شام ہوا کرتی تو دن کیا بُری طرح کٹا کرتا۔"

لالا جی نے ہماری اس جادو بیانی کی دادیوں دی کہ آپ پوچھنے لگے: "تو میں آپ کو چھے بجے جگادیا کروں نا؟"

میں نے کہا: "ہاں ہاں، واہ، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ بے شک۔"

شام کے وقت آنے والی صبح کے مطالعے کے لیے دو کتابیں چھانٹ کر میز پر علیحدہ جوڑ دیں، کرسی کو چارپائی کے قریب سر کالیا۔ اوور کوٹ اور گلوبند کو کرسی کی پُشت پر آویزاں کر لیا۔ کن ٹوپ اور دستانے پاس ہی رکھ لیے، دیا سلائی کو تکیے کے نیچے ٹٹولا۔ تین دفعہ آیۃ الکرسی پڑھی، اور دل میں نہایت ہی نیک منصوبے باندھ کر سو گیا۔

صبح لالا جی کی پہلی دستک کے ساتھ ہی جھٹ آنکھ کھل گئی۔ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ لحاف کی ایک کھڑکی میں سے ان کو "گڈ مارننگ" کیا، اور نہایت بے دارانہ لہجے میں کھانسا۔ لالا جی مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

ہم نے اپنی ہمت اور اُولوالعزمی کو بہت سراہا، کہ آج ہم فوراً ہی جاگ اُٹھے۔ دل سے کہا، کہ "دل بھیا، صبح اُٹھنا تو محض ذرا سی بات ہے۔ ہم یوں ہی اس سے ڈرا کرتے تھے۔" دل نے کہا: "اور کیا، تمھارے تو یوں ہی اوسان خطا ہو جایا کرتے ہیں۔" ہم نے کہا، "سچ کہتے ہو یار۔ یعنی اگر ہم سستی اور کسالت کو خود اپنے قریب نہ آنے دیں تو اُن کی کیا مجال ہے کہ ہماری باقاعدگی میں خلل انداز ہوں۔"

(ماخوذ از: پطرس کے مضامین)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) لالا کرپا شنکر جی سے کیا درخواست کی گئی؟

(ب) لالا جی نے جگانے کے لیے کیا انداز اپنایا؟

(ج) زبردستی جگائے جانے پر مصنف کے تاثرات کیا تھے؟

(د) مصنف کے معمولاتِ زندگی میں موجود نقائص کی نشان دہی کیجیے۔

(ہ) اس سبق سے پانچ جملے منتخب کیجیے جو آپ کے نزدیک طنز و مزاح کا بہترین نمونہ ہوں۔

(و) آپ کے خیال میں کون سی عادت مصنف کو پڑھائی سے دور رکھنے کا باعث تھی؟

(ز) کاہلی، سستی اور غفلت سے پہنچنے والے چند نقصانات بیان کیجیے۔

سوال ۲: اس سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال ۳: کسی سفر کی دل چسپ روداد تحریر کیجیے۔

سوال ۴: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- گیدڑ کی موت آتی ہے تو دوڑتا ہے:

(الف) گاؤں کی طرف (ب) شہر کی طرف

(ج) جنگل کی طرف (د) دریا کی طرف

۲- لالا جی نے مکا بازی شروع کر دی:

(الف) دروازے پر (ب) کھڑکی پر

(ج) دیوار پر (د) میز پر

۳- لالا جی آدمی ہیں بہت:

(الف) ہم درد (ب) محنتی (ج) شریف (د) مخلص

۴- لالا جی نے صاحبِ مضمون کو تین بجے جگا دیا کیوں کہ:

(الف) لالا جی خود بھی تین بجے رات کو اٹھتے تھے

(ب) صاحبِ مضمون نے جلدی جگانے کی درخواست کی تھی

(ج) متقی لوگ اسی وقت عبادت کے لیے اٹھتے ہیں

(د) لالا جی انھیں بیزار کر دیں اور آیندہ جگانے کے لیے نہ کہیں

۵- اس سبق سے ہمیں معلوم ہوا کہ:

(الف) صبح سویرے اٹھنا بہت آسان ہے

(ب) صبح سویرے اٹھنے کے لیے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں

(ج) انسان صبح سویرے خود اُٹھ جاتا ہے

(د) نیک اور عبادت گزار لوگ صبح سویرے اٹھتے ہیں

سوال ۵: درج ذیل الفاظ اور تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ممنون دل شکنی طمانیت اولوالعزمی خندہ پیشانی اوسان خطا ہونا جادو بیانی

سوال۶: پطرس بخاری کے مضمون میں موجود ادبی خصوصیات کی نشان دہی کیجیے۔

سوال۷: اپنی تعلیمی زندگی کا کوئی تجربہ مزاحیہ انداز میں تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ کسی علمی/ ادبی شخصیت سے انٹرویو کریں گے۔

۲- طلبہ جدید ذرائع ابلاغ پر اپنے پسندیدہ پروگرام دیکھ/ سن کر دوستوں کو اہم پہلوؤں سے آگاہ کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- انٹرویو کی اہمیت اور آداب سے طلبہ کو آگاہ کیجیے۔

۲- طلبہ کو ریڈیو/ موبائل/ ٹی وی وغیرہ کے بامعنی اور مفید استعمال کی ترغیب دیجیے۔

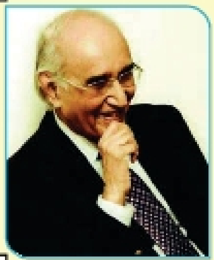

مشتاق احمد یوسفی

پیدائش: ۱۹۲۳ء

وفات: ۲۰۱۸ء

تصانیف: چراغ تلے، خاکم بدہن، آبِ گم

کِرکِٹ

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- نسبتاً طویل بات درمیان سے سن کر اور سیاق وسباق سمجھ کر موضوع بیان کر سکیں۔ ۲- گفتگو یا عبارت سن کر سنجیدہ/ مزاحیہ / طنزیہ پہلوؤں کی تفہیم کر سکیں۔ ۳- کسی علمی وادبی تقریب کی کیفیات اور تاثرات بیان کر سکیں۔

مرزا عبدالودود بیگ کا دعویٰ کچھ ایسا غلط معلوم نہیں ہوتا کہ کرکٹ بڑی تیزی سے ہمارا قومی کھیل بنتا جا رہا ہے۔ ہم آج تک کرکٹ نہیں کھیلے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں اس کی بُرائی کرنے کا حق نہیں۔

یُوں تو آج کل ہر وہ بات جس میں ہارنے کا امکان زیادہ ہو کھیل سمجھی جاتی ہے۔ تاہم کھیل اور کام میں جو بین فرق ہماری سمجھ میں آیا، یہ ہے کہ کھیل کا مقصد خالصۃً تفریح ہے۔

کرکٹ سے ہماری دل بستگی ایک پرانا واقعہ ہے، جس پر آج سو سال بعد تعجب یا تأسف کا اظہار کرنا اپنی ناواقفیت عامہ کا ثبوت دینا ہے۔ سر سید احمد خاں نے بھی انگریزی تعلیم و تمدُّن کے ساتھ ساتھ کرکٹ کو اپنانے کی کوشش کی۔ روایت ہے کہ جب علی گڑھ کالج کے لڑکے میچ کھیلتے تو سر سیّد میدان کے کنارے جانماز بچھا کر بیٹھ جاتے۔ لڑکوں کا کھیل دیکھتے اور رو رو کر دعا مانگتے:

"الٰہی میرے بچّوں کی لاج تیرے ہاتھ ہے۔"

کِرکِٹ انگریزوں کے لیے مشغلہ نہیں، مشن ہے۔ ہمارے ہاں کرکٹ مشغلہ ہے نہ مشن، اچّھی خاصی تعزیری مشقت ہے، جس میں کام سے زیادہ عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔ اب اگر کوئی سر پھرا منھ مانگی اُجرت دے کر بھی اپنے مزدوروں سے ایسے موسمی حالات میں یوں کام کرائے تو پہلے ہی دن اس کا چالان ہو جائے۔ ہمارے ہاتھوں جس طرح ہلکا پھلکا کھیل تَرقّی کر کے کام میں تبدیل ہو گیا وہ اس کے موجدین کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا۔ غالؔب نے شاید ایسی ہی کسی

صورت حال سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ ہم مغل بچے بھی غضب کے ہوتے ہیں، جس پر مرتے ہیں اس کو مار رکھتے ہیں۔

کِرکِٹ کے رَسیا ہم جیسے ناآشنائے فن کو لاجواب کرنے کے لیے اکثر کہتے ہیں:

''میاں! تم کِرکِٹ کی باریکیوں کو کیا جانو؟ کرکٹ اب کھیل نہیں رہا، سائنس بن گیا ہے، سائنس!''

ایک دفعہ کرکٹ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ہم نے مرزا سے کہا کہ کھیلوں میں وہی کھیل افضل ہے جس میں دماغ پر کم سے کم زور پڑے۔

ترقی یافتہ ممالک میں رجحان عام ہے کہ تعلیم نہایت آسان اور تفریح روز بہ روز مشکل ہوتی جاتی ہے۔ تعلیم کو بالکل آسان اور عام کر دیا ہے لیکن کھیل دن بہ دِن گراں اور پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ لہٰذا بعض غَبی لڑکے کھیل سے جی چُرا کر تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے ہیں۔

کسی اعتدال پسند دانا کا قول ہے، ''کھیل کے وقت کھیل اور کام کے وقت کام اچھا۔'' اگر ہم یہ کہیں کہ ہمیں اس زرّیں اصول سے سراسر اختلاف ہے تو اس کو یہ معنی نہ پہنائے جائیں کہ خدانہ خواستہ ہم شام وسحر، آٹھوں پہر کام کرنے کے حق میں ہیں۔ سچ پوچھیے تو ہم اپنا شمار ان نارمل افراد میں کرتے ہیں جن کو کھیل کے وقت کھیل اور کام کے وقت بھی کھیل ہی اچھا لگتا ہے اور جب کھل کے باتیں ہو رہی ہیں تو یہ عرض کرنے کی اجازت دیجیے کہ فی الواقع کام ہی کے وقت کھیل کا صحیح لطف آتا ہے۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور آنکھوں دیکھا حال سناتے ہیں۔

ٹیسٹ میچ کے ہنگامہ پَرور زمانے کا ذکر ہے۔ شہر کی آبادی دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک حصہ کہ:

''جس میں کاہل بھی ہیں، غافل بھی ہیں، ہشیار بھی ہیں''

اپنے اپنے گھروں میں بیٹھا ریڈیو کمنٹری سُن رہا تھا۔ دُوسرا اُن سفید پوشوں پر مشتمل تھا، جو عزّت کی خاطر اپنی اپنی چھتوں پر خالی ایریل لگا کر خود ہوٹلوں اور پان کی دکانوں کے سامنے کھڑے کمنٹری سن رہے تھے۔ پاکستان ایک میچ جیت چکا تھا اور کرکٹ کے خلاف ایک لفظ بھی منھ سے نکالنا غداری کے مترادف تھا۔ مرزا کِرکِٹ کو اپنے آپ پر طاری کر کے کہنے لگے، ''یہ کھیلوں کا بادشاہ ہے۔''

ہماری جو شامت آئی تو بول اُٹھے، ''مرزا! کِرکِٹ رئیسوں کا کھیل ہے۔''

''ایسا مہنگا اور پیچیدہ کھیل جس کا میچ مسلسل پانچ دن گھسٹتا رہے اور جسے ہمارے غریب عوام نہ کھیل سکیں اور نہ دیکھ پائیں، ہرگز لائقِ اِلتفات نہیں۔''، ہم نے دُکھتی ہوئی رگ پکڑی۔

''پھر کون سا کھیل لائق التفات ہے، حضور؟'' مرزا نے چڑاؤنے انداز میں پوچھا۔

''اس سے بہتر تو بیس بال رہے گی۔'' ہم نے کہا۔

''بات ایک ہی ہے، آدھا بیٹ ٹوٹ جانے کے بعد بھی کرکٹ جاری رہے تو اسے بیس بال کہتے ہیں۔ کسی اور کھیل کا نام لو۔'' مرزا نے کہا۔

''ٹینس۔'' ہمارے منھ سے بے ساختہ نکلا۔

''اگر تم نے کبھی ٹینس میچ میں گیند کے ساتھ سیکڑوں تماشائیوں کی گردنیں ایک ساتھ پنڈولم کی طرح دائیں بائیں گھومتی دیکھی ہیں تو بہ خدا تمھیں اس کھیل ہی سے نفرت ہو جائے گی۔'' مرزا نے کہا۔

''اس کے یہ معنی ہوئے کہ تمھیں ٹینس دیکھنے پر اعتراض ہے۔ مت دیکھو، مگر کھیلنے میں کیا حرج ہے؟''

''جی نہیں! یورپ میں ٹینس بیمار مردوں اور تن دُرست عورتوں کا کھیل ہے۔

صاحب! اچھے کھیل کی خوبی یہ ہے کہ

کچھ ہاتھ ہلیں، کچھ پاؤں ہلیں، اُچھلیں بازو، پھڑکے سب تن۔''

مرزا نے ایکا ایکی ہمارے مقابلے پر نظیرا کبر آبادی کو لا کھڑا کیا، جن سے نبٹنا فی الجملہ ہمارے لیے مشکل تھا۔

''چلو ہاکی سہی۔'' ہم نے سمجھوتے کے انداز میں کہا۔

''چھی! ہماری یہ بڑی کمزوری ہے کہ اپنی ٹیم کسی کھیل میں جیت جائے تو اسے قومی کھیل سمجھتے لگتے ہیں اور اس وقت تک سمجھتے رہتے ہیں جب تک کہ ٹیم دوسرا میچ ہار نہ جائے۔'' مرزا نے فتویٰ دیا۔

''تمھیں پسند نہ آئے، یہ اور بات ہے۔ مگر کراچی میں ہاکی کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اگر کہیں دوستانہ میچ بھی ہو رہا ہو تو خلقت اس بُری طرح ٹوٹتی ہے کہ فیلڈ تک میں کھیلنے کی جگہ نہیں رہتی۔'' ہم نے کہا۔

''خدا آباد رکھے، کراچی کا کیا کہنا! کوئی شخص راہ چلتے یوں ہی پان کی پِیک تُھوک دے اور پھر اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے تو دو منٹ میں ٹَھٹ کے ٹَھٹ لگ جائیں اور سارا ٹریفک رُک جائے۔ یاد رکھو! تماشے میں جان تماشائی کی تالی سے پڑتی ہے، نہ کہ مداری کی ڈُگڈُگی سے!'' مرزا نے بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

''فٹ بال کیسی رہے گی؟'' ہم نے عاجز آکر آخرُ الامر سے پوچھا۔

مرزا کہنے لگے: ''کرکٹ اَشراف کھیلتے ہیں، فُٹ بال دیہاتیوں کا کھیل ہے۔''

(ماخوذ از: چراغ تلے)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) سر سیّد احمد خان کے متعلق کون سی روایت مشہور تھی؟

(ب) کسی دانا کا کرکٹ کے بارے میں قول بتائیے۔

(ج) اچھے کھیل کی کیا خوبی ہے؟

(د) اس سبق میں کتنے کھیلوں کا ذکر کیا گیا ہے؟

(ہ) ''تماشے میں جان تماشائیوں کی تالی سے پڑتی ہے نہ کہ مداری کی ڈگڈگی سے'' اس اقتباس کو اپنے لفظوں میں تحریر کیجیے۔

سوال ۲: اس سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال ۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- کرکٹ بہت تیزی سے ہمارا کھیل بنتا جارہا ہے:

(الف) بین الاقوامی (ب) صوبائی

(ج) قومی (د) علاقائی

۲- کرکٹ انگریزوں کے لیے ہے:

(الف) مشغلہ (ب) ولولہ

(ج) تفریح (د) مشن

۳- ٹیسٹ میچ کے دوران آبادی بٹ گئی:

(الف) دو حصّوں میں (ب) تین حصّوں میں

(ج) چار حصّوں میں (د) پانچ حصّوں میں

۴- کرکٹ میں جان پڑتی ہے:

(الف) عمدہ میدان سے
(ب) اچھے کھلاڑیوں سے
(ج) عمدہ بالنگ سے
(د) تماشائیوں کی تالیوں سے

۵- ہم قومی کھیل اس کھیل کو سمجھتے ہیں:

(الف) جس میں دماغ پر کم سے کم زور پڑے
(ب) جسے رئیس لوگ کھیلیں
(ج) جس میں محنت زیادہ ہو
(د) جس میں جیتتے رہیں

سرگرمیاں

۱- طلبہ کمرۂ جماعت میں کوئی مختصر تحریر سن کر موضوع کا تعین کریں گے۔

۲- طلبہ اپنی پسندیدہ تحریروں سے سنجیدہ/ مزاحیہ/ طنزیہ جملے نوٹ کر کے دوستوں کے سامنے پیش کریں گے۔

۳-طلبہ کسی ایسی علمی وادبی تقریب کا حال بیان کریں گے جس میں وہ خود شریک ہوئے ہوں۔

برائے اساتذہ

طلبہ کو مثالیں دے کر سنجیدہ/ مزاحیہ/ طنزیہ گفتگو یا تحریر کا فرق سمجھائیے۔

حِصّۂ نظم

مظفرؔ وارثی

پیدائش: ۱۹۳۳ء

وفات: ۲۰۱۱ء

تصانیف: بابِ حرم، الحمد، برف کی ناؤ، کعبۂ عشق

حمد

حاصلاتِ تعلّم: اس حمد کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱-اشعار سُن کر محظوظ ہو سکیں اور اُن کے محاسن کا ادراک کر سکیں۔ ۲- کسی منظوم تحریر پر تنقیدی گفتگو کر سکیں۔ ۳- سُن کر نسبتاً طویل کلام کے اہم نکات، مصرعے یا اشعار سابقہ یادداشتوں کے حوالے سے یک جا کر سکیں۔ ۴-درسی تحریر (نظم) کو اوصاف بلند خوانی (صحتِ تلفّظ، لب و لہجے، رموزِ اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ ۵-صنائع بدائع پہچان سکیں۔ (مراعاۃ النظیر، کنایہ) ۶-درسی کتاب میں شامل حمد، نعت اور نظم (منقبت) کا تقابلی جائزہ تحریر کر سکیں۔

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وُہی خُدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آرہا ہے، وُہی خُدا ہے

وُہی ہے مشرق، وُہی ہے مغرب، سفر کریں سب اُسی کی جانب
ہر آئنے میں جو عکس اپنا دِکھا رہا ہے، وُہی خُدا ہے

تلاش اُس کو نہ کر بُتوں میں، وہ ہے بدلتی ہُوئی رُتوں میں
جو دِن کو رات اور رات کو دِن بنا رہا ہے، وُہی خُدا ہے

کسی کو سوچوں نے کب سراہا، وُہی ہُوا جو خُدا نے چاہا
جو اختیارِ بشر پہ پہرے بٹھا رہا ہے، وُہی خُدا ہے

نظر بھی رکھے، سماعتیں بھی، وہ جان لیتا ہے نیّتیں بھی
جو خانۂ لاشعور میں جگمگا رہا ہے، وُہی خُدا ہے

کسی کو تاجِ وقار بخشے، کسی کو ذِلّت کے غار بخشے
جو سب کے ماتھے پہ مُہرِ قُدرت لگا رہا ہے، وُہی خُدا ہے

سفید اُس کا، سیاہ اُس کا، نَفَس نَفَس ہے گواہ اُس کا
جو شعلۂ جاں جلا رہا ہے، بُجھا رہا ہے، وُہی خُدا ہے

(ماخوذاز: الحمد)

محسن کاکوروی

پیدائش: ۱۸۲۷ء

وفات: ۱۹۰۵ء

تصانیف: فغانِ محسن، گلدستہ محسن کاکوروی، صبح تجلی، کلیاتِ محسن کاکوروی

نعت

سب سے اعلیٰ تِری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

ہے تمنا، نہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

رُخِ انورؐ کا تِرے دھیان رہے بعدِ قضا
میرے ہم راہ چلے راہِ عدم میں مشعل

صفِ محشر میں تِرے ساتھ ہو تیرا مدّاح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ، یہ غزل

اے محمدؐ ہے بلاشک وہ تری ذاتِ حَسَن
جس کی توصیف میں عالم کی زباں ہے الکن

کیسی تصویر جسے کھینچ کے نقاشِ ازل
خُود لگا کہنے کہ ہر وَصف میں ہے تو افضل

(ماخوذ از: کلیاتِ محسن کاکوروی)

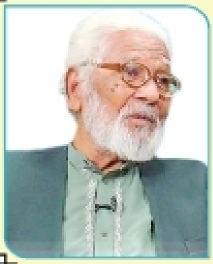

اعجاز رحمانی

پیدائش: ۱۹۳۶ء

وفات: ۲۰۱۹ء

تصانیف: پہلی کرن آخری روشنی، اعجازِ مصطفیٰ، افکار کی خوش بُو

مَنقبَت

لائقِ توقیر ہیں سب جاں نثارِ مصطفیٰؐ
جاں نثاروں میں خصوصًا چار یارِ مصطفیٰؐ
جاں نشینِ اوّلیں خدمت گزارِ مصطفیٰؐ
حضرت صدیقِ اکبرؓ یارِ غارِ مصطفیٰؐ
سیرتِ صدیقؓ پر جب غور کرتا ہے کوئی
صاف آتے ہیں نظر نقش و نگارِ مصطفیٰؐ

☆☆☆

ہر اک قول اور ہر عمل آپؓ کا ہے
عدالت کی میزان فاروقِ اعظمؓ!
سبھی آپؓ کی عظمتوں کے ہیں قائل
ہیں جتنے مسلمان، فاروقِ اعظمؓ!

☆☆☆

ذات جن کی جامعُ القرآن ہے
نام اُن کا حضرتِ عثمانؓ ہے
دیکھ کر تنویر ذُوالنُّورَینؓ کی
آئنہ بھی کس قدر حیران ہے

☆☆☆

روشن جو دِیا حُبِّ علیؓ کا نہیں ہوگا
ذہنوں سے کبھی دُور اندھیرا نہیں ہوگا
یہ قولِ نبیؐ یاد نہیں کیا تمھیں لوگو!
جو شخص علیؓ کا نہیں، میرا نہیں ہوگا

(ماخوذاز: عظمتوں کے مینار)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) حمد میں شاعر نے 'وہی خُدا ہے' کے لیے کیا کیا دلیلیں دی ہیں؟
(ب) حمد میں 'خانۂ لاشعور' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
(ج) حمد میں اختیارِ بشر پر پہرے بٹھانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
(د) نعت میں ایمانِ مفصل اور ایمانِ مجمل سے کیا مراد ہے؟
(ہ) نعت میں شاعر نے روزِ محشر کے لیے کیا تمنا کی ہے؟
(و) شاعر نے نقّاشِ ازل کی زبان میں کیا کہنا چاہا ہے؟
(ز) سیرتِ صدیق میں نقش و نگارِ مصطفیٰ نظر آنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
(ح) منقبت میں عدالت کی میزان کسے اور کیوں کہا گیا ہے؟
(ط) منقبت میں آئینے کے حیران ہونے کا کیا مطلب ہے؟
(ی) منقبت میں شاعر نے کس قولِ نبی کا ذکر کیا ہے؟

سوال ۲: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(الف) کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے وُہی خُدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آرہا ہے وُہی خُدا ہے

(ب) لائقِ توقیر ہیں سب جاں نثارِ مصطفیٰؐ
جاں نثاروں میں خصوصًا چار یارِ مصطفیٰؐ

سوال ۳: حمد کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

سوال ۴: اس نعت کا خلاصہ لکھیے۔

سوال ۵: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی بتائیے:

نظامِ ہستی، اختیارِ بشر، خانۂ لاشعور، جامع القرآن، ذوالنّورین، رُخِ انورؐ، مفصل، مجمل

سوال ۶: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- لفظ ''آئنہ'' اس حمد میں اس معنی میں آیا ہے:

(الف) شیشہ (ب) آئین کا مؤنث
(ج) مخلوق (د) تقدیر

۲- حمد میں ''سفر'' سے مراد ہے:

(الف) عام سفر (ب) مشرق کی طرف سفر
(ج) مغرب کی طرف سفر (د) رب کی طرف سفر

۳- اس نعت میں لفظ ''الکن'' کا مطلب ہے:

(الف) الجھن (ب) لیکن
(ج) تعریف کرنے والی (د) ہکلانے والی

۴- نعت میں لفظ ''نقاشِ ازل'' سے مراد ہے:

(الف) روزِ ازل (ب) وعدۂ ازل
(ج) روزِ ازل کا نقش (د) خالقِ کائنات

۵- منقبت کے مطابق یارانِ مصطفٰی لائق ہیں:

(الف) تعظیم کے (ب) تکریم کے

(ج) توقیر کے (د) تحسین کے

☆ کنایہ:

کنایہ کے لفظی معنی ہیں اشارہ یا مراد۔ اب یہ شعر پڑھیے:

ارمان تھا کہ راہِ خدا میں شہید ہو
حق پر فدا ہو جان تو بس اس کی عید ہو

شفیع الدین نیّر صاحب نے اس شعر میں لفظِ عید استعمال کیا ہے۔ ایک عام مسلمان کی عید رمضان شریف کے روزے پورے ہونے کے بعد پہلے دن ہوتی ہے۔ لیکن اس شعر میں بتایا گیا ہے کہ ایک مجاہدِ اسلام کی تمنا، خواہش، آرزو اور مقصدِ حیات صرف اور صرف شہادت پانا ہے۔ لہٰذا ایک مجاہد کی عید روزوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ حصولِ شہادت سے ہے۔ گویا عید کا اشارہ شہادت کی طرف ہے۔

رُخِ انور کا ترے دھیان رہے بعدِ قضا
میرے ہم راہ چلے راہِ عدم میں مشعل

نعت کے اس شعر میں لفظ ''مشعل'' کا کنایہ ''حضورِ پاک کا رُخِ انور'' ہے۔

☆ مراعاۃ النظیر:

شعر میں ایسی چیزوں کا ذکر ہو جو آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق رکھتی ہوں مگر اُن میں تضاد نہ ہو۔

شفق، دھنک، مہتاب، گھٹائیں، بجلی، تارے، نغمے، پھول
سب کچھ ہے اس کے دامن میں، دامن ہاتھ آئے تو

اس شعر کے پہلے مصرعے میں کئی مظاہر فطرت بیان کیے ہیں جو کہ ماحول کو پیش کر رہے ہیں۔

سوال ۷: حمد اور نعت میں موجود مراعاۃ النظیر اور کنائے کی نشان دہی کیجیے۔

☆ **منقبت:** منقبت ایسی نظم ہے جس میں اہل بیت اطہار، صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کی تعریف و توصیف والہانہ ذوق و شوق اور عقیدت و محبت کے ساتھ کی جاتی ہے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ کتاب خانے سے نظموں کی کوئی اور کتاب لاکر اس کی کسی نظم پر تنقیدی بحث کریں گے۔

۲- طلبہ سابقہ یادداشت کی بنیاد پر مصرعے اور اشعار اپنی بیاض تحریر میں نوٹ کریں گے۔

۳- کمرۂ جماعت میں طلبہ حمد و نعت کے اشعار دو گروہوں میں تقسیم ہو کر اوصافِ بلند خوانی کے لحاظ سے سنائیں گے۔

۴- طلبہ گروہوں میں تقسیم ہو کر حمد، نعت اور منقبت کی خصوصیات کا تقابلی جائزہ لیں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

۵- حمد اور نعت میں اگر اور بھی کچھ صنعتیں موجود ہوں تو طلبہ کے دو دو گروہ ایک دوسرے کو دلیل سے بتائیں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ سے اشعار سُنیے، اگر کوئی غلطی ہو تو اصلاح کیجیے۔

۲- انفرادی خواندگی کے دوران تلفّظ پر خصوصی توجہ دلایئے۔

۳- حمد، نعت اور منقبت میں موجود صنایع بدایع کی تشریح کیجیے۔

۳- حمد، نعت اور منقبت کو اوصافِ بلند خوانی کے مطابق پڑھ کر طلبہ کو سکھایئے۔

حفیظ جالندھری

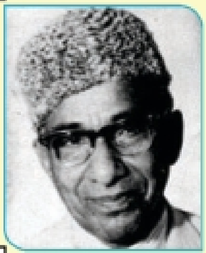

پیدائش: ۱۹۰۰ء

وفات: ۱۹۸۲ء

تصانیف: شاہ نامۂ اسلام، تلخابۂ شیریں، نغمہ زار، سوز و ساز

حضرت فاطمۃ الزہرؓا کی رخصتی

چلی تھی باپ کے گھر سے نبیؐ کی لاڈلی، پہنے
حیا کی چادریں، عِفّت کا جامہ، صبر کے گہنے
رِدائے صبر بھی حاصل تھی، توفیقِ سخاوت بھی
کہ ہونا تھا اُسے سرتاجِ خاتونانِ جنّت بھی
اُسی کی تربیت میں اُسوَہ تھا یُمن و سعادت کا
اُسی کی گود سے دریا اُبلنا تھا شہادت کا
وہی غیرت جو مہرِ خاتَمِ حقؐ کا نگینہ تھی
امینؐ کی لاڈلی ہی اُس امانت کی امینہ تھی
علیؓ مرتضٰی نے آج تاجِ ''ہَل اَتیٰ''[1] پایا
دُلھن کی شکل میں اِک پیکرِ صدق و صفا پایا
پدَر کے گھر سے رخصت ہوکے زہراؓ اپنے گھر آئیں
توکّل کے خزانے، دولتِ مہر و وفا لائیں
جہیز اُن کو ملا جو کچھ شہنشاہِ دو عالمؐ سے
ملا ہے درس ہم کو سادگی کا فخرِ آدمؐ سے
متاعِ دُنیَوی جو حِصّۂ زہراؓ میں آئی تھی
کھجوری کھردرے سے بان کی اِک چارپائی تھی

[1] ان الفاظ میں قرآن کی ''سورۃ الدھر'' کی آیت ۸ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مزید تفصیل کے لیے اس سورۃ کی تفسیر کا مطالعہ کیجیے۔

مشقت عمر بھر کرنا جو لکھا تھا مقدر میں
ملی تھیں چکیاں دو تاکہ آٹا پیس لیں گھر میں
گھڑے مٹّی کے دو تھے اور اِک چمڑے کا گدّا تھا
نہ ایسا خُوش نما تھا یہ، نہ بد زیب اور بھدّا تھا
بھرے تھے اُس میں رُوئی کی جگہ پتے کھجوروں کے
یہ وہ ساماں تھا جس پر جان و دل قربان حُوروں کے
وہ زہراؓ جن کے گھر تسنیم و کوثر کی تھی ارزانی
ملی تھی مشک اُن کو تاکہ خُود لایا کریں پانی
ملا تھا فَقر و فَاقہ ہی مگر اصلی جہیز اُن کو
کہ بخشی تھی خدا نے اک جبینِ سجدہ ریز اُن کو

(ماخوذاز: شاہ نامۂ اسلام)

علامہ محمد اقبال

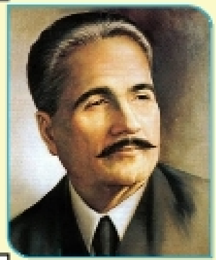

پیدائش: ۱۸۷۷ء

وفات: ۱۹۳۸ء

تصانیف: بانگ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز

چاند اور تارے

حاصلاتِ تعلّم: ان نظموں کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- اشعار میں علمِ بیان، صنایع بدایع کے لحاظ سے مثالیں تلاش کر سکیں۔ مثلاً: مراعاۃ النظیر، کنایہ اور استعارہ۔ ۲- کسی ادبی، علمی موضوع پر اپنے وسیع تر مطالعے، تجربے، مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ، مناسب لب و لہجے اور موزوں اقوال و اشعار کے ساتھ چار منٹ سے زیادہ زبانی تقریر کر سکیں۔

ڈرتے ڈرتے دمِ سحر سے — تارے کہنے لگے قمر سے
نظّارے رہے وہی فلک پر — ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا — چلنا، چلنا، مُدام چلنا
بے تاب ہے اِس جہاں کی ہر شے — کہتے ہیں جسے سکوں، نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کشِ سفر سب — تارے، انساں، شجر، حجر، سب
ہوگا کبھی ختم یہ سفر کیا؟
منزل کبھی آئے گی نظر کیا؟

کہنے لگا چاند، "ہم نشینو! — اے مزرعِ شب کے خوشہ چینو!
جنبش سے ہے زندگی جہاں کی — یہ رسمِ قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ — کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اِس رہ میں مقام بے محل ہے — پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں — جو ٹھیرے ذرا، کچل گئے ہیں
انجام ہے اِس خرام کا حُسن
آغاز ہے عشق، اِنتہا حُسن

(ماخوذ از: بانگِ درا)

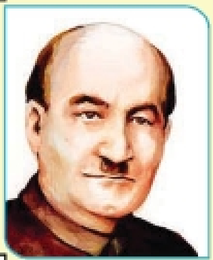

شبیر حسن خان، جوشؔ ملیح آبادی

پیدائش: ۱۸۹۸ء

وفات: ۱۹۷۲ء

تصانیف: فکر و نشاط، شعلہ و شبنم، دیوانِ جوش، یادوں کی بارات

بدلی کا چاند

خورشید وہ دیکھو ڈُوب گیا، ظلمت کا نشاں لہرانے لگا
مہتاب وہ ہلکے بادل سے چاندی کے وَرَق برسانے لگا

وہ سانولے پن پر میداں کے ہلکی سی صباحت دَوڑ چلی
تھوڑا سا اُبھر کر بادل سے وہ چاند جبیں جھلکانے لگا

لو ڈوب گیا پھر بادل میں، بادل میں وہ خط سے دوڑ گئے
لو پھر وہ گھٹائیں چاک ہوئیں، ظلمت کا قدم تھرّانے لگا

غُرفوں سے جو جھانکا گرِدُوں کے، اَمواج کی نبضیں تیز ہوئیں
حلقوں میں جو دوڑا بادل کے کہسار کا سر چکرانے لگا

پردہ جو اُٹھایا بادل کا دریا پہ تبسّم دوڑ گیا
چِلمن جو گرائی بدلی کی، میدان کا دل گھبرانے لگا

اُبھرا تو تجلّی دَوڑ گئی، ڈوبا تو فلک بے نُور ہوا
اُلجھا تو سیاہی دوڑا دی، سُلجھا تو ضیا برسانے لگا

کیا کاوشِ نور و ظلمت ہے، کیا قید ہے، کیا آزادی ہے
انساں کی تڑپتی فطرت کا مفہوم سمجھ میں آنے لگا

(ماخوذ از: دیوانِ جوشؔ)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) نظم چاند اور تارے میں ''مدام چلنا'' سے علامہ اقبالؔ کی کیا مراد ہے؟

(ب) ''جنبش سے ہے زندگی'' سے علامہ اقبالؔ کا اشارہ کس طرف ہے؟

(ج) علامہ اقبالؔ کے نزدیک ''پوشیدہ قرار میں اجل ہے'' سے کیا مراد ہے؟

(د) حضرت فاطمہ زہراؓ کی زندگی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

(ہ) جوشؔ نے کن کن اجرامِ فلکی کا ذکر کیا ہے؟

(و) جوشؔ نے چاند کی کون سی اہم کیفیت بیان کی ہے؟

(ز) ان نظموں میں کون کون سے صنائع بدائع پائے جاتے ہیں؟

سوال ۲: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(الف) ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

(ب) کیا کاوشِ نور و ظلمت ہے، کیا قید ہے کیا آزادی ہے
انساں کی تڑپتی فطرت کا مفہوم سمجھ میں آنے لگا

(ج) ردائے صبر بھی حاصل تھی توفیقِ سخاوت بھی
کہ ہونا تھا اُسے سرتاجِ خاتونانِ جنت بھی

سوال ۳: جوشؔ ملیح آبادی اور حفیظؔ جالندھری کی نظموں کے خلاصے لکھیے۔

سوال ۴: علامہ اقبالؔ کی نظم کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال ۵: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لغت یا تھیسارس میں دیکھ کر لکھیے:

جنبش، تازیانہ، دمِ سحر، کاوش، صباحت

سوال ۶: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- ''ستم کشِ سفر'' سے مراد ہے:

(الف) سفر میں ستم کو ختم کرنے والا — (ب) سفر میں تکلیفیں برداشت کرنے والا

(ج) سفر میں ستم ڈھانے والا — (د) سفر کو مصیبت بنانے والا

۲- نظم ''چانداور تارے'' کی ہیئت ہے:

(الف) مُسدّس (ب) مخمس (ج) مربّع (د) مثنوی

۳- ''اشہبِ زمانہ'' میں صنعت پائی جاتی ہے:

(الف) تشبیہ (ب) تلمیح (ج) استعارہ (د) مبالغہ

۴- حضرت فاطمہ زہراؓ کا اصل سامانِ جہیز یہ تھا:

(الف) سامانِ ضرورت (ب) فقر و فاقہ

(ج) سامانِ آرائش (د) صبر و استقامت

۵- ''اُبھرا تو تجلی دوڑ گئی'' سے جوشؔ کی مراد ہے:

(الف) بجلی چمک گئی (ب) روشنی پھیل گئی

(ج) سورج طلوع ہو گیا (د) چاندنی پھیل گئی

سرگرمیاں

۱- طلبہ آپس میں دو گروہ بنائیں گے۔ پھر ہر گروہ کسی شاعر کے کلام سے ایسے شعر تلاش کرے گا جن میں استعارہ، مراعاۃ النظیر اور کنایہ کی صنعتیں پائی جاتی ہوں۔ پھر وہ کمرۂ جماعت ہی میں دوسرے گروہ سے پوچھے گا، دوسرا گروہ پہلے گروہ سے پوچھے گا۔ (طلبہ اس مقابلے کے لیے معلّم/ معلمہ سے مدد لے سکتے ہیں)

۲- طلبہ انھی صنعتوں والے اشعار زبانی یاد کر کے آئیں گے اور کمرۂ جماعت میں ایک دوسرے سے صنعتیں دریافت کریں گے۔

۳- طلبہ شاملِ نصاب نظموں سے صنعتیں تلاش کر کے بتائیں گے۔

۴- طلبہ کسی علمی/ ادبی موضوع پر کمرۂ جماعت یا کالج کی سطح پر چار منٹ کی زبانی تقریر کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- اِن نظموں میں موجود شاعرانہ خوبیاں طلبہ کو بتائیے۔

۲- ذوقِ جمالیات اور قدرتی کیفیات طلبہ سے بیان کیجیے۔

۳- کسی علمی/ ادبی موضوع پر مدلل تقریر کے لیے لوازمے کی فراہمی کے سلسلے میں طلبہ کی رہ نمائی کیجیے۔

یاسمین حمید

پیدائش: ۱۹۵۱ء

تصانیف: پسِ آئینہ، حصارِ در و دیوار، آدھا دن آدھی رات، فنا بھی ایک سراب

کتبہ کون لکھے گا؟

حاصلاتِ تعلّم: اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱۔ درسی کتاب میں شامل اصنافِ نظم کا تجزیہ تحریر کر سکیں۔ ۲۔ نظم کو اس کے اجزا، خصوصیات، اصطلاحات اور تصورات کے حوالے سے سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ۳۔ اشعار سن کر محظوظ ہو سکیں اور اُن کے محاسن کا ادراک کر سکیں۔ ۴۔ کسی ادبی رسالے یا مخزن کے لیے اپنی تحریریں بھیج سکیں۔

ابھی پہلا ستارہ ڈھونڈتے ہو تم
ابھی تو روشنی آنکھوں تلک پہنچی نہیں ہے
جب شکست و ریخت کی منزل سے آگے
سیکڑوں نوری برس تسخیر ہو جائیں گے
تب تم آسماں کی آخری حد پر
زمیں زادوں کی باتیں سُن رہے ہو گے
خلا اندر خلا سیّارہ گاہیں اپنی کم آباد دُنیا کو پکاریں گی
زمیں بھی آشنا دستک پہ چونکے گی
مگر پھر کون بولے گا؟
گلستاں، رنگ، خُوش بُو
چہچہاتے پیڑ اور چنگھاڑتے جنگل
اکیلے کیا کریں گے

شہروں شہروں گھومتے دن رات
کس کو تھپکیاں دے کر سُلائیں گے، جگائیں گے
کسی ویران قریے میں
الاؤ سینکتے ہاتھوں کی بے مصرف لکیریں
اپنے ہونے کا گلہ کس سے کریں گی
پتھروں کی، برف کی جانب پلٹتی زندگی کو
کون پُرسا دینے آئے گا
خلا اندر خلا گنجان سیّاروں کے سارے خواب
بے تعبیر رہ جائیں گے تو اس سانحے پر
کون روئے گا
زمیں زادوں کا کتبہ کون لکھے گا؟

(ماخوذ از: فنا بھی ایک سراب)

مختار کریمی

پیدائش: ۱۹۲۹ء

وفات: ۲۰۱۴ء

تصانیف: خیال کی دستک، نہالِ درد (شعری مجموعے)، دم خوردہ غزل (آپ بیتی)

مرہم

ہوائے تیز کیوں بے تاب پھرتی ہے
کبھی صحرا، کبھی گلشن، کبھی ساحل، کبھی دریا
ہوا جُویائے مرہم تو نہیں ہے
کبھی ہم بھی یوں ہی بے تاب رہتے تھے
ہوا کو
کون سمجھائے
یہی زخمِ تمنّا
زندگی ہے

(ماخوذ از: رمزِ سخن)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

(الف) یاسمین حمید کی نظم میں کون سی انسانی کیفیت بیان ہوئی ہے؟

(ب) ان نظموں میں کون کون سے محاسنِ کلام موجود ہیں؟

(ج) ''گلستان....... جنگل''تک کوئی شاعرانہ خوبی بیان کیجیے۔

(د) نظم "مرہم" میں جو پیغام ہے وہ اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

(ہ) "زخم تمنا" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(و) شاعر نے "زخم تمنا" کو زندگی کیوں قرار دیا ہے؟

(ز) دونوں آزاد نظموں میں سے آپ کی پسندیدہ نظم کون سی ہے؟ پسندیدگی کا سبب بھی لکھیے۔

(ح) پابند اور آزاد نظم کا فرق بیان کیجیے۔

سوال ۲: ان لفظوں کے معنی بتائیے اور اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

آشنا - الاؤ - سینکنا - زمیں زاد - بے مصرف - نوری برس

سوال ۳: ''کتبے'' سے شاعرہ کی کیا مراد ہے؟

سوال ۴: نظم ''مرہم'' کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- ان نظموں کی صنف ہے:

(الف) آزاد نظم (ب) پابند نظم (ج) نثری نظم (د) معریٰ نظم

۲- یہاں ''زمیں زادوں'' سے مراد ہے:

(الف) زمینی مخلوق (ب) غموں کی وجہ سے مردہ انسان

(ج) زمین پر اکڑ کر چلنے والے (د) بے بس لوگ

۳- ''پُرسا دینا'' سے مراد ہے:

(الف) تعزیت کرنا (ب) تہنیت کرنا (ج) عیادت کرنا (د) مسرّت کرنا

۴- شاعرہ کے نزدیک پہلا ستارہ ملے گا:

(الف) جب سیکڑوں نوری برس تسخیر ہو جائیں گے (ب) جب انسان دوسری دنیا میں پہنچ چکا ہوگا

(ج) جب قیامت آچکی ہوگی (د) جب انسان اہلِ زمین کی باتیں آسمان پر سنے گا

۵- مختار کریمی کے خیال میں ہوا بے تاب ہے:

(الف) مرہم کی تلاش میں (ب) گلشن کی تلاش میں

(ج) زندگی کی تلاش میں (د) صحرا کی تلاش میں

آزاد نظم:

آزاد نظم میں مصرعوں کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ نظم کا یہ انداز انگریزی نظموں سے آیا ہے۔ آزاد نظم میں ایک ہی بحر ہوتی ہے لیکن مصرعوں کی تقسیم شاعر کی مرضی پر ہوتی ہے۔ کوئی مصرع بڑا ہوتا ہے کوئی چھوٹا۔ بعض شعرا آہنگ، وزن اور صوتی تاثر کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ آزاد نظم لکھنے کی کوشش کریں گے۔

۲- اپنی تحریر کسی مخزن/ رسالے میں چھپنے کے لیے بھیجیں گے۔

۳- طلبہ چند گروپوں کی صورت میں نظم کو اس کے اجزا، خصوصیات، اصطلاحات اور تصوّرات کے حوالے سے باری باری پڑھیں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کو آزاد نظم کے بنیادی اصول سمجھائیے۔

۲- ان کی تحریر کی نوک پلک درست کر کے کسی مخزن یا رسالے میں شایع کرائیے۔

۳- طلبہ کی سرگرمی ۳ پر خصوصی توجہ دیجیے، کیوں کہ یہ ایک آزاد نظم کے پُر تاثر انداز میں پڑھنے کی سرگرمی ہے۔

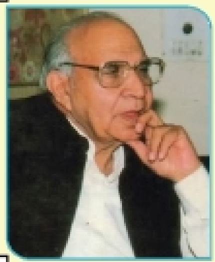

سید ضمیر جعفری

پیدائش: ۱۹۱۶ء

وفات: ۱۹۹۹ء

تصانیف: مافی الضمیر، کتابی چہرے، لہو ترنگ

دو بہرے شناساؤں کی ملاقات

حاصلاتِ تعلّم: اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- استحسانی، جمالیاتی یا تنقیدی انداز سے لکھ سکیں۔ ضرورۃً اشعار کا حوالہ دے سکیں۔ ۲- اصنافِ نظم کے لحاظ سے کوئی فن پارہ پیش کر سکیں۔

اُس نے کہا، آداب کرتا ہوں، کہو کیا حال ہے؟
اِس نے کہا، تھیلے میں دو رُومال ہیں، اِک تھال ہے

اُس نے کہا، انساں میں اب کچھ ذوقِ ہمدردی بھی ہے!
اِس نے کہا ہم کیا کریں، کھانسی بھی ہے، سردی بھی ہے

اُس نے کہا، اِس وقت شاید قصد ہے بازار کا
اِس نے کہا، بارہ بجے، دن ہو مگر اتوار کا

اُس نے کہا منجھلے چچا کیا اب بھی ہیں ملتان میں؟
اِس نے کہا کچھ درد سا رہتا ہے بائیں کان میں

اُس نے کہا، بیمار ہے بیگم گزشتہ رات سے
اِس نے کہا، اچھی کہی، دل خُوش ہوا اِس بات سے

اُس نے کہا، انگلینڈ سے افسر کا تار آیا نہیں
اس نے کہا، پھر تو کہیں، اُن کو بخار آیا نہیں

اُس نے کہا، کیا آپ کو اپنی جوانی یاد ہے؟
اِس نے کہا، ہاں یاد ہے اور منھ زبانی یاد ہے

(ماخوذ از: مافی الضمیر)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) سیّد ضمیرؔ جعفری کی وجہِ شہرت کیا ہے؟

(ب) اس نظم میں دو بہروں کی گفتگو کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے، وہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

(ج) شاملِ نصاب انتخاب شاعری کی کس صنف سے تعلق رکھتا ہے؟

(د) دو بہروں کے باہم مکالموں سے پیدا ہونے والی مزاحیہ صورت حال کو پیش کرنے میں شاعر کتنا کام یاب رہا ہے؟

سوال ۲: اس نظم کا مرکزی خیال لکھیے۔

سوال ۳: درج ذیل الفاظ میں سے کون سے مذکر ہیں اور کون سے مؤنث؟

آداب- تھال- ہم دردی- قصد- جوانی- کھانسی

سوال ۴: درج ذیل الفاظ کے متضاد بنائیے:

شناسا- ذوق- چچا- گزشتہ- قصد

سوال ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' ان کی نظم ہے:

(الف) سیّد محمد جعفری (ب) سید ضمیر جعفری

(ج) اسد جعفری (د) علی سردار جعفری

۲- یہ نظم نوعیت کے لحاظ سے کہلائے گی:

(الف) مزاحیہ (ب) طنزیہ (ج) عشقیہ (د) رمزیہ

۳- اس نظم میں ذکر ہے:

(الف) امریکا کا (ب) آسٹریلیا کا (ج) انگلینڈ کا (د) ترکی کا

۴- شاعر کو درد رہتا ہے:

(الف) ہاتھ میں (ب) دانت میں (ج) آنکھ میں (د) کان میں

۵- یہ نظم اس صنفِ ادب میں لکھی گئی ہے:

(الف) غزل (ب) نظم (ج) رباعی (د) قصیدہ

سرگرمیاں

۱- طلبہ اپنے پسندیدہ مزاحیہ / طنزیہ اشعار اپنی بیاض میں نوٹ کریں گے۔
۲- طلبہ سید ضمیر جعفری کی دیگر مزاحیہ نظمیں تلاش کر کے دوستوں کو سنائیں گے۔
۳-طلبہ اپنی کسی پسندیدہ صنفِ سخن میں اپنی کوئی تخلیق کمرۂ جماعت میں پیش کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کو شایستہ مزاح کی ضرورت و اہمیت سے آگاہ کیجیے۔
۲- طلبہ کو دیگر نام ور مزاح گو شعراء کے نام بتایئے اور اُن کا کلام پڑھنے یا سننے کی ترغیب دیجیے۔
۳-طلبہ کی تخلیق کردہ منظومات پڑھ کر اُن کی ضروری رہ نمائی کیجیے۔

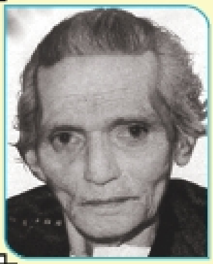

نگار صہبائی (محمد سعید)

پیدائش: ۱۹۲۶ء

وفات: ۲۰۰۴ء

تصانیف: من گاگر، انت سے آگے

گیت

حاصلاتِ تعلّم: اس گیت کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- کسی منظر کی تفصیل ذوقِ جمال کے اعتبار سے بیان کر سکیں۔ ۲- احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے مجازی زبان سُن کر متن کے حسن و قبح کا بہ آسانی ادراک کر سکیں۔ ۳- کسی درسی متن کا تنقیدی تجزیہ کر کے اُسے نئے پیرائے میں تحریر کر سکیں۔ ۴- لُغوی اور اصطلاحی، حقیقی، مجازی یا مرادی معنی میں تمیز کر سکیں۔

جانے کیا سپنے دیکھے تھے
تُو نے اپنے بچپن میں
شام کا پہلا تارا چمکا
دیپ سے پہلے آنگن میں

اتنی اُونچی مَن کی اٹریا
امبر جس پر جھک جائے
رات کا پلّو جھٹک جھٹک کر
ہاتھ میں چاندی بھر لائے

سدا سہاگن تیری رَچنا
سرسَوں پُھول رہی مَن میں
رنگ ہوا میں اُڑتے پھرتے
کیا آنگن میں کیا بَن میں

پت جھڑ مٹی میں سوتا ہے
بارش کا سنّاٹا ہے
پَل سے جُگ تک سفر کٹھن تھا
تو نے کیسے کاٹا ہے

سُر سے ہنسی الگ نہ کرنا
جب لَے اُترے جیون میں
پنچم، مدھم لگن رچائیں
ایسے بھاؤ ہیں جھانجھن میں

(ماخوذ از: انت سے آگے)

حمایت علی شاؔعر

پیدائش: ۱۹۲۶ء

وفات: ۲۰۱۹ء

تصانیف: شخص وعکس، تشنگی کا سفر، کلیات حمایت علی شاعر

ثُلاثی

اُسلوب

کس طرح تراش کر سجائیں
نادیدہ خیال کے بدن پر
لفظوں کی سِلی ہوئی قبائیں

(ماخوذاز: کلیاتِ حمایت علی شاؔعر)

رسا چغتائی (مرزا محتشم علی بیگ)

پیدائش: ۱۹۲۸ء

وفات: ۲۰۱۸ء

تصانیف: ریختہ، چشمہ ٹھنڈے پانی کا، تیرے آنے کا انتظار رہا

ہائیکو

آبِ زم زم

ممتا کا دم تھا
یا بچے کی ایڑی میں
آبِ زم زم تھا

(ماخوذاز: چشمہ ٹھنڈے پانی کا)

وضاحت نسیم

پیدائش: ۱۹۵۶ء

تصانیف: اندھی گلی میں سورج، خواب دریچے

کام

ذات میں اپنی گُم
کام سے اپنے کام تمھیں
ہم سے اچھے تم

(ماخوذاز: اندھی گلی میں سورج)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) گیت کی صنف کس زبان سے اُردو میں آئی ہے؟

(ب) رسؔا چغتائی کی بنیادی وجہِ شہرت کون سی شعری صنف ہے؟

(ج) لفظوں کی سِلی ہوئی "قبائیں" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(د) ثلاثی اور ہائیکو میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

(و) ہائیکو "کام" کا مرکزی خیال کیا ہے؟

(ہ) ہائیکو "زینہ" کے عنوان کی وضاحت کیجیے۔

(ز) ہائیکو کس زبان سے اُردو میں آئی؟

سوال ۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- کتاب میں شامل گیت کے شاعر ہیں:

(الف) نگارؔ صہبائی (ب) حمایت علی شاعرؔ

(ج) وضاحت نسیمؔ (د) رسؔا چغتائی

۲- مکمل مصرع ہے: ذات میں اپنی ________:

(الف) غرق (ب) گم (ج) بے خود (د) گویا

۳- حمایت علی شاعر کی ثلاثی کا عنوان ہے:

(الف) رَوِش (ب) طرز (ج) اُسلوب (د) شیوہ

۴- مکمل مصرع ہے: اور میں تیری سوچ میں __________:

(الف) یکتا (ب) تنہا (ج) الگ تھلگ (د) جُدا

۵- وضاحت نسیم کی ہائیکو کا عنوان ہے:

(الف) کام (ب) اُونچائی (ج) زِینہ (د) منزل

سوال ۳: کتاب میں درج گیت کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

☆ **گیت:** ایسی صنعتِ شعر ہے جس میں ایک عورت، مرد کو مخاطب کر کے اظہارِ محبت کرتی ہے۔ گیت میں جذبات اور احساسات خصوصاً ہجر اور فراق کی کیفیت بڑے والہانہ انداز سے لکھی جاتی ہے۔ بعض گیتوں میں محبت کا اظہار مرد کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔ مگر گیت کا بنیادی مزاج یہی ہے کہ وہ محبت میں مبتلا ایک عورت کے دل کی پکار ہے۔

☆ **ہائیکو:** ہائیکو جاپانی صنف ہے۔ یہ تین سطروں پر مشتمل مختصر نظم ہوتی ہے۔ ہائیکو کا پہلا اور تیسرا مصرع ہم وزن اور درمیانی مصرع نسبتہً طویل ہوتا ہے۔ اس کی بناوٹ پانچ، سات اور پانچ صوتی ارکان (Syllabes) کے وزن پر قائم ہوتی ہے۔ ہائیکو کی خوبی اختصار اور کفایت لفظی ہے۔

☆ **ثلاثی:** ثلاثی تین مصرعوں پر مشتمل شعری ہیئت ہے جو ایک مکمل نظم کی حیثیت رکھتی ہے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ اس کتاب میں شامل گیت کے علاوہ اپنی پسند کا کوئی گیت کمرۂ جماعت میں سنائیں گے۔

۲- طلبہ کتب خانے سے استفادہ کرتے ہوئے چند ہائیکو منتخب کر کے کمرۂ جماعت میں پیش کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ کی سرگرمیوں کی رہ نمائی اور نگرانی کیجیے۔

۲- ہائیکو کا دیگر انتخاب بھی طلبہ کو سنائیے۔

خواجہ میر دردؔ

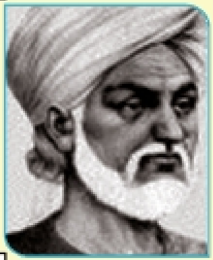

پیدائش: ۱۷۲۰ء

وفات: ۱۷۸۵ء

تصانیف: نالۂ درد، آہِ سرد، شمعِ محفل، واقعاتِ درد، دیوانِ دردؔ

حاصلاتِ تعلّم: ان غزلوں کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱۔ مستند و معروف شعرا کے کلام سے انتخاب کر کے پسندیدہ اشعار کی بیاض تیار کر سکیں۔ ۲۔ شاعری میں ہیئت کے لحاظ سے کسی فن پارے میں مطلع، مقطع، قافیہ، ردیف اور وزن شناخت کر سکیں۔ ۳۔ درسی کتاب میں نعت، غزل، مرثیہ، مخمس اور مسدس کا تقابلی جائزہ تحریر کر سکیں۔ ۴۔ علمِ بیان یعنی تشبیہ، استعارہ، مجازِ مرسل، کنایہ وغیرہ کی شناخت کر سکیں۔

غزل (۱)

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا — بس ہجومِ یاس، جی گھبرا گیا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جُز جفا — پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا
کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مِری — جی میں یہ کس کا تصوّر آگیا
میں نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات — پر مِری نظروں کے ڈھب سے پا گیا
مٹ گئی تھی اُس کے جی سے تو جھجک — دردؔ کچھ بک بک کے تُو چونکا گیا

غزل (۲)

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا — برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
مِرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ — کہ جس کو کسو نے کبھو وا، نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بے گانگی میں — کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں — کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
شب و روز اے دردؔ در پَے ہو اُس کے — کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

(ماخوذ از: دیوانِ دردؔ)

میر تقی میرؔ

پیدائش: ۱۷۲۳ء

وفات: ۱۸۱۰ء

تصانیف: کلیاتِ میر، نکات الشعرا

غزل ۱

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا — لوہو آتا ہے جب نہیں آتا

ہوش جاتا نہیں رہا لیکن — جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

صبر تھا ایک مُونسِ ہجراں — سو وہ مدّت سے اب نہیں آتا

دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش — گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

جِی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہم دم!
پر سخن تا بہ لب نہیں آتا

غزل ۲

تجاہل، تغافل، تساہل کیا — ہوا کام مشکل، توکل کیا

نہیں تاب لاتا دلِ زار اب — بہت ہم نے صبر و تحمّل کیا

زمین غزل ملک سی ہوگئی — یہ قطعہ تصرّف میں بالکل کیا

جنوں تھا نہ مجھ کو نہ چُپ رہ سکا — کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غُل کیا

نہ سوزِ دروں فصلِ گُل میں چھپا — سر و سینہ سے داغ نے گُل کیا

ہمیں شوق نے صاحبو، کھو دیا — غلاموں سے اُس کے توسّل کیا

حقیقت نہ میرؔ اپنی سمجھی گئی
شب وروز ہم نے تامّل کیا

(ماخوذ از: کلیاتِ میر)

مرزا اسداللہ خان غالؔب

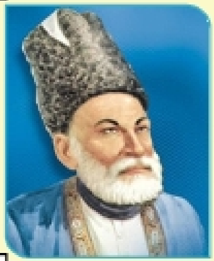

پیدائش: ۱۷۹۷ء

وفات: ۱۸۶۹ء

تصانیف: دیوانِ غالؔب، اردوئے معلّٰی، مہرِ نیم روز، قاطعِ برہان

غزل (۱)

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا؟
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا؟

بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے، "کیا"؟

حضرت ناصح گر آئیں، دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عُذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا؟

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسؔد
ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں، کھائیں گے کیا؟

غزل (۲)

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

یا رب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے؟
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ؟
رتبے میں مہر وماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

غالبؔ وظیفہ خوار ہو، دو شاہ کو دُعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے، ''نوکر نہیں ہوں میں''

(ماخوذاز: دیوانِ غالب)

مومن خان مومؔن

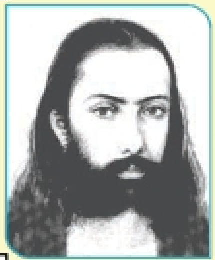

پیدائش: ۱۸۰۰ء

وفات: ۱۸۵۲ء

تصانیف: دیوانِ مومن، کلیاتِ مومن

غزل

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج، راحت فزا نہیں ہوتا

ذکرِ اَغیار سے ہوا معلوم
حرفِ ناصح بُرا نہیں ہوتا

اُس نے کیا جانے کیا کیا لے کر
دل کسی کام کا نہیں ہوتا

امتحاں کیجیے مرا جب تک
شوق زور آزما نہیں ہوتا

تم مِرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمھارے سِوا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرضِ مضطرب، مومؔن!
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

(ماخوذاز: کلیاتِ مومؔن)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(ب) دردؔ نے محبوب کو یگانہ کیوں کہا ہے؟

(ج) میرؔ نے صبر کو "مونس ہجراں" کیوں کہا ہے؟

(د) "زمین غزل ملک سی ہو گئی" سے میر کی کیا مراد ہے؟

(ہ) "انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(و) "قحطِ غمِ الفت" کا کیا مطلب ہے؟

(ز) درج ذیل اصطلاحات کی وضاحت کیجیے:

مطلع، مقطع، قافیہ، ردیف

(ح) غزل، مخمس اور مسدّس کا فرق واضح کیجیے۔

سوال ۲: غالب کے درج ذیل شعر میں کس کیفیت کی عکاسی نظر آ رہی ہے؟ نیز زمانہ بھی بتائیے۔

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں کھائیں گے کیا؟

سوال ۳: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(الف) تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جُز جفا — پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

(ب) تجاہل، تغافل، تساہل کیا — ہُوا کام مشکل، توکّل کیا

(ج) دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

(د) تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

سوال ۴: میر دؔرد، میر تقی میرؔ، اسد اللہ خان غاؔلب اور مومن خان موؔمن کی غزلوں میں مطلعوں اور مقطعوں کی نشان دہی کیجیے۔

سوال ۵: میر دؔرد، میر تقی میرؔ، اسد اللہ خان غاؔلب اور مومن خامن موؔمن کی غزلوں میں قافیوں اور ردیفوں کی نشان دہی کیجیے۔

سوال ۶: درج ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کیجیے:

غنچۂ دل، مونسِ ہجراں، توکل، دیدہ و دل فرشِ راہ، ناصح، دریغ

سوال ۷: غاؔلب کی غزل کے قطعہ بند اشعار کی تشریح کیجیے۔

سوال ۸: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- دؔرد کی غزل میں ''ہجومِ یاس'' کا مطلب ہے:

(الف) بہت اُمیدیں (ب) بہت ناراضی

(ج) تمناؤں کی کثرت (د) نااُمیدی کی کثرت

۲- ”جلوہ فرما“ سے مراد ہے:

(الف) جلوہ دکھانے والا (ب) تشریف لانے والا

(ج) تشریف لے جانے والا (د) غصہ دکھانے والا

۳- میرؔ کے مطابق مونس ہجراں تھا:

(الف) توکل (ب) صبر (ج) شکر (د) احسان

۴- ”دیدہ و دل فرش راہ کرنا“ ہے:

(الف) محاورہ (ب) ضرب المثل (ج) کہاوت (د) مرکب عطفی

۵- لفظ ”گویا“ کے معنی ہیں:

(الف) بولنے والا (ب) گانے والا (ج) کھیلنے والا (د) خاموش رہنے والا

☆ قطعہ بند: قطعہ کے لغوی معنی ہیں کاٹا ہوا۔ اصطلاحی معنوں میں غزل کے دو یا دو سے زیادہ متصل اشعار کو، جس میں معنوی ربط پایا جاتا ہے، قطعہ بند اشعار کہتے ہیں۔

سرگرمیاں

طلبہ مختلف شعراء کے دیوان سے عمدہ عمدہ اشعار نقل کریں گے اور کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱- طلبہ میں علمی اور ادبی ذوق پیدا کرنے کے لیے اُن میں ادبی مسابقت کا جذبہ پیدا کیجیے۔

۲- حسبِ موقع عمدہ شعر پیش کرنے کی تلقین کیجیے۔

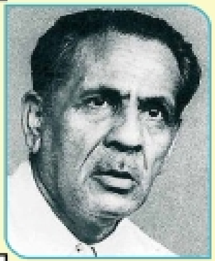

فراؔق گورکھپوری (رگھوپتی سہائے)

پیدائش: ۱۸۹۶ء

وفات: ۱۹۸۲ء

تصانیف: غزلستان، روحِ کائنات، مشعل، روپ، گلِ نغمہ

حاصلاتِ تعلّم: اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: کسی منظوم تحریر پر تنقیدی گفتگو کر سکیں۔

غزل

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اِس ترکِ مَحبّت کا بھروسا بھی نہیں

مہربانی کو مَحبّت نہیں کہتے، اے دوست!
آہ! اب مجھ سے تِری رنجش بے جا بھی نہیں

ایک مدّت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے، ایسا بھی نہیں

بات یہ ہے کہ سکونِ دلِ وحشی کا مقام
کُنجِ زنداں بھی نہیں وُسعتِ صحرا بھی نہیں

آہ! یہ مجمعِ احباب، یہ بزمِ خاموش
آج محفل میں فراؔقِ سخن آرا بھی نہیں

(ماخوذ از: گلِ نغمہ)

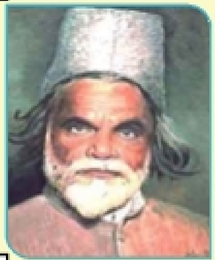

جگرؔ مرادآبادی (علی سکندر)

پیدائش: ۱۸۹۰ء

وفات: ۱۹۶۰ء

تصانیف: داغِ جگر، شعلۂ طور، آتشِ گل

دنیا کے ستم یاد، نہ اپنی ہی وفا یاد
اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبّت کے سِوا یاد

میں شکوہ بہ لب تھا، مجھے یہ بھی نہ رہا یاد
شاید کہ مِرے بھولنے والے نے کیا یاد

کیا جانیے، کیا ہوگیا اربابِ جُنوں کو
مرنے کی ادا یاد نہ جینے کی ادا یاد

میں ترکِ رہ و رسمِ جُنوں کر ہی چکا تھا
کیوں آ گئی ایسے میں تری لغزشِ پا یاد؟

کیا لُطف کہ میں اپنا پتا آپ بتاؤں
کیجے کوئی بُھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد

(ماخوذاز: کلیاتِ جگرؔ)

مشق

سوال ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(الف) کیا جانیے، کیا ہوگیا اربابِ جنوں کو
مرنے کی ادا یاد نہ جینے کی ادا یاد

(ب) ایک مدّت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے، ایسا بھی نہیں

سوال ۲: درج ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم واضح کیجیے:

سودا۔ جلوہ گہِ ناز۔ شکوۂ جور۔ شکوہ بہ لب۔ اربابِ جُنوں۔ سخن آرا

سوال ۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱۔ ''ترکِ محبّت'' ہے:

(الف) مرکب اضافی (ب) مرکب عطفی
(ج) مرکب اشاری (د) مرکب توصیفی

۲۔ ''سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنّا بھی نہیں'' اس مصرعے میں کیفیت پائی جاتی ہے:

(الف) مثبت (ب) منفی (ج) رجائی (د) اضطراری

۳۔ مصرع ہے: 'دنیا کے ستم یاد نہ اپنی ہی:

(الف) وفا یاد' (ب) جفا یاد' (ج) ادا یاد' (د) صدا یاد'

۴۔ جگرؔ پیدا ہوئے:

(الف) ۱۸۹۰ء میں (ب) ۱۸۹۱ء میں (ج) ۱۸۹۲ء میں (د) ۱۸۹۳ء میں

۵۔ 'مرنے کی ادا یاد نہ جینے کی ادا یاد' اس مصرعے میں صنعتِ تکرار کے علاوہ یہ صنعت بھی ہے:

(الف) صنعتِ تضاد (ب) صنعتِ مبالغہ
(ج) صنعتِ تلمیح (د) صنعتِ استعارہ

ندائیہ/فجائیہ (SIGN OF EXCLAMATION) (!)

یہ علامت جملے میں جب کسی کو مخاطب کرنے یا پکارنے کے لیے استعمال کرتے ہیں تو "ندائیہ" کہلاتی ہے۔ مثلاً:

ندائیہ :

دیکھنا! گنوانا مت دولتِ یقین، لوگو!
یہ وطن امانت ہے اور تم امین، لوگو!

جب یہ علامت ایسے الفاظ یا جملوں کے بعد آتی ہے جن سے کوئی جذبہ ظاہر کرنا ہوتا ہے جیسے: غصہ، حقارت، نفرت، خوف، غم، تعجب تو اس کو "فجائیہ" کہا جاتا ہے۔ جذبے کی شدت کی مناسبت سے ایک سے زیادہ علامتیں بھی لگا سکتے ہیں جیسے: افوہ!، بس صاحب! بس! صد افسوس! آج وہ شخص بھی دنیا سے اُٹھ گیا۔

سوال: آپ اس کتاب میں سے ایسے چند جملے تلاش کر کے لکھیے جن میں ندائیہ یا فجائیہ کیفیت کے ساتھ یہ علامت استعمال کی گئی ہو۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ کمرۂ جماعت میں فراؔق اور جگرؔ کی غزلیں ترنُّم سے پیش کریں گے۔
۲- طلبہ ان غزلوں سے اپنے پسندیدہ اشعار سنائیں گے اور اپنی پسند کی وجہ بھی بیان کریں گے۔

برائے اساتذہ

طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہوئے غزل کے چیدہ چیدہ محاسن پر روشنی ڈالیے۔

ناصر کاظمی

پیدائش: ۱۹۲۵ء

وفات: ۱۹۷۲ء

تصانیف: برگ نے، کلیاتِ ناصر، نشاطِ خواب، پہلی بارش

حاصلاتِ تعلّم: اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱۔زمینِ شعر اور اوزانِ شعر کی شناخت کر سکیں۔ ۲۔درسی کتاب میں شامل غزل کا تقابلی جائزہ تحریر کر سکیں۔

غزل

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تری یاد تھی، اب یاد آیا

آج مشکل تھا سنبھلنا اے دوست!
تُو مصیبت میں عجب یاد آیا

پھر کئی لوگ نظر سے گزرے
پھر کوئی شہرِ طرب یاد آیا

حالِ دل ہم بھی سُناتے، لیکن
جب وہ رخصت ہُوا، تب یاد آیا

بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

(ماخوذ از: کلیاتِ ناصر)

جونؔ ایلیا (سید حسین جون اصغر)

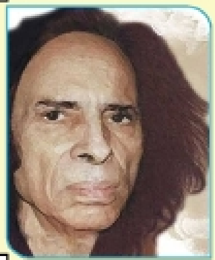

پیدائش: ۱۹۳۱ء

وفات: ۲۰۰۲ء

تصانیف: شاید، گمان، یعنی

کس سے اظہارِ مدّعا کیجے — آپ ملتے نہیں ہیں، کیا کیجے
ہو نہ پایا یہ فیصلہ اب تک — آپ کیا کیجیے تو کیا کیجے
آپ تھے جس کے چارہ گر وہ جواں — سخت بیمار ہے دعا کیجے
زندگی کا عجب معاملہ ہے — ایک لمحے میں فیصلہ کیجے
مجھ کو عادت ہے روٹھ جانے کی — آپ مجھ کو منا لیا کیجے

(ماخوذ از: شاید)

فاطمہ حسن

پیدائش: ۱۹۵۳ء

تصانیف: کتابِ دوستاں، کلامِ ضامن، یادیں بھی اب خواب ہوئیں

زمیں سے رشتۂ دیوار و در بھی رکھنا ہے
سنوارنے کے لیے اپنا گھر بھی رکھنا ہے

ہوا سے، آگ سے، پانی سے متصل رہ کر
انھی سے اپنی تباہی کا ڈر بھی رکھنا ہے

ہماری نسل سنورتی ہے دیکھ کر ہم کو
سو اپنے آپ کو شفّاف تر بھی رکھنا ہے

ہوا کے رُخ کو بدلنا اگر نہیں ممکن
ہوا کی زد پہ سفر کا ہنر بھی رکھنا ہے

نشانِ راہ سے بڑھ کر ہیں خواب منزل کے
انھیں بچانا ہے اور راہ پر بھی رکھنا ہے

(ماخوذ از: یادیں بھی اب خواب ہوئیں)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) "تو مصیبت میں عجب یاد آیا" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(ب) "ہوا کی زد پہ سفر کا ہنر" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(ج) شاعرہ نے خوابِ منزل کو نشانِ راہ سے زیادہ اہم کیوں قرار دیا ہے؟

سوال ۲: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(الف) پھر کئی لوگ نظر سے گزرے — پھر کوئی شہرِ طرب یاد آیا

(ب) زندگی کا عجب معاملہ ہے — اک لمحے میں فیصلہ کیجے

(ج) ہماری نسل سنورتی ہے دیکھ کر ہم کو — سو اپنے آپ کو شفّاف تر بھی رکھنا ہے

سوال ۳: درج ذیل تراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

اظہارِ مدّعا- حالِ دل- سایۂ گل- دیوار و در- چارہ گر

سوال ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- "شہرِ طرب" سے مراد ہے:

(الف) خوشیوں بھرا مہینا — (ب) خوشیوں بھرا شہر

(ج) رقص و نغمے والا شہر — (د) راگ رنگ کی محفل

۲- اس غزل میں "دل دھڑکنا" کا مطلب ہے:

(الف) دل کا حرکت کرنا — (ب) بے قراری

(ج) خوف زدہ ہونا — (د) غم کھانا

۳- مرکب "دیوار و در" ہے:

(الف) مرکب توصیفی — (ب) مرکب اضافی

(ج) مرکب عطفی — (د) مرکب اشاری

۴- زمیں سے رشتہ بھی رکھنا ہے:

(الف) جسم و جاں کا — (ب) دیوار و در کا

(ج) سانس کا — (د) خیال و خواب کا

۵۔ ''نظر سے گزرے''کا مطلب ہے:

(الف) نظروں سے گر گئے (ب) آنکھوں کے سامنے سے گزرے

(ج) یاد آئے (د) مطالعے میں آئے

☆ یہ شعر پڑھیے:

جہاں تک ہو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں
بنا دیتا ہے کامل بیٹھنا صاحب کمالوں میں (شاد عظیم آبادی)

یہ شعر پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا ایک خاص آہنگ، قافیہ اور ردیف ہے۔ یہی چیزیں مل کر زمینِ شعر کہلاتی ہیں۔

اب اقبال کا یہ شعر دیکھیے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں (اقبالؔ)

☆ آپ نے لفظ ''اوزان'' جو ''وزن'' کی جمع ہے تو پڑھا یا سُنا ہوگا۔ شاعری میں یہ لفظ مصرعے یا شعر کا وزن معلوم کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مصرعے کا وزن اس طرح معلوم کیا جاتا ہے کہ شعر کے پہلے مصرعے میں جو لفظ استعمال ہوئے ہیں اُن پر کل، زیر، زبر اور پیش کی تعداد کیا ہے۔ (زیر، زبر، پیش کو اعراب یا حرکات بھی کہتے ہیں) اب جتنے زیر، زبر یا پیش یعنی حرکات پہلے مصرعے میں استعمال ہوئی ہوں، اُتنی ہی دوسرے مصرعے میں بھی ہوتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ پہلے مصرعے میں حرکات جس ترتیب سے آئی ہوں، اُسی ترتیب سے دوسرے مصرعے میں بھی آئی ہوں۔ مثال کے طور پر شعر کا وزن معلوم کرنے کے درج ذیل طریقے کو دیکھیے:

پہلا مصرع: ہَر بَحر اَور بَر مَیں = اس مصرعے میں حرکات یعنی زیر، زبر، پیش کی تعداد ہے: پانچ

دوسرا مصرع: ہَر خُشک اَور تَر مَیں = اس مصرعے میں حرکات یعنی زیر، زبر، پیش کی تعداد ہے: پانچ

اب یہ بھی دیکھیے کہ دونوں مصرعوں میں حرکات کی ترتیب بھی یک ساں ہے؟ یعنی دونوں مصرعوں کے پہلے، تیسرے، چھٹے، نویں اور گیارہویں حروف پر حرکات آئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں مصرعوں کا وزن برابر ہے۔ اس طرح ہر شعر کا وزن کیا جاسکتا ہے۔ (البتہ غزل کے بعض مصرعوں میں ایک آدھ حرکت کم یا زیادہ ہو سکتی ہے۔)

سوال۵: آپ بتائیے کہ ناصر کاظمی کی شاملِ نصاب غزل کی زمین کیا ہے؟

سوال۶: اس شعر کا وزن معلوم کیجیے:

سارا ہے کام تیرا سارا ہے نام تیرا

سر گرمی(۱): طلبہ بتائیں گے کہ درج ذیل اشعار میں سے کون سے دو اشعار کی زمینِ شعر یک ساں ہے۔

(الف) نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا (غالبؔ)

(ب) صیّاد نے پوچھا ہے اسیرانِ قفس سے
کس کس کو ہے کلیوں کے چٹکنے کی صدا یاد (ماہرؔ القادری)

(ج) رات کیا سوئے کہ باقی عمر کی نیند اڑ گئی
خواب کیا دیکھا کہ دھڑکا لگ گیا تعبیر کا (احمد فرازؔ)

(د) دنیا کے ستم یاد، نہ اپنی ہی وفا یاد
اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبّت کے سوا یاد (جگرؔ مرادآبادی)

(ہ) اگر بدل نہ دیا آدمی نے دُنیا کو
تو جان لو کہ یہاں آدمی کی خیر نہیں (فراقؔ گورکھپوری)

سر گرمی(۲): طلبہ دیے ہوئے شعر کا وزن معلوم کریں گے:

"اے دو جہاں کے والی اے گلشنوں کے مالی"

اسی طرح طلبہ دوسرے اشعار کے اوزان بھی معلوم کریں گے۔

برائے اساتذہ

۱۔ طلبہ کو مختلف شعرا کی غزلیں پڑھ کر سنائیے اور اُن کی زمینِ شعر پر گفتگو کیجیے۔

۲۔ طلبہ کو شعر کا وزن معلوم کرنے کی درج بالا ترکیب کے مطابق مشق کرائیے۔ ضرورت پڑنے پر اُن کی رہ نمائی کیجیے۔

خوش حال خان خٹک

پیدائش: ۱۶۱۳ء

وفات: ۱۶۸۹ء

تصانیف: باز نامہ، دستار نامہ، کلامِ خوش حال خان خٹک

(۱)

اگر تمام مخلوق خُدا کی ثنا کرنے لگے
اور تمام کام چھوڑ کر اسی میں مشغول ہو
تب بھی اُس کی تعریف بہت زیادہ اور بے حساب ہے
کون اُس کی کون سی تعریف پُوری طرح کر سکتا ہے

(۲)

باغ کے پھول عجب رنگ دکھاتے ہیں
بعض تر وتازہ ہوتے ہیں اور بعض چٹکتے ہیں
سَوسَن کو ذرا دیکھیے جو ہر زبان سے
حرف اور آواز کے بغیر خدا کی تعریف کرتا ہے

(ماخوذ از: کلامِ خوش حال خان خٹک)
(مترجم: پروفیسر پری شان خٹک)

مشق

سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت

شارع: شریعت قائم کرنے والا، صاحبِ شرع یعنی رسول

دائمی: ہمیشہ

جامعیتِ کبریٰ: تمام اعلیٰ صفات کا ایک جگہ جمع ہو جانا

پیروی: تقلید، کسی کے نقش پر چلنا

جامعیت: تمام خوبیوں کا ایک جگہ جمع ہونا

اہل: قابل

اتباع: اطاعت کرنا، پیروی کرنا

صنف انسانی: انسانیت

نظم ونسق: انتظام

اصناف: صنف کی جمع (اقسام)

افعال: فعل کی جمع (کام)

طائفۂ انسانی: انسانی گروہ، بنی نوع انسانی

معلم قدس: مراد رسول پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

جگر گوشہ: پیاری اولاد

ثالث: دو آدمیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے والا

شاہ و گدا: بادشاہ اور فقیر، مراد ہر ایک

ظلمت خانہ: اندھیرے کا گھر یعنی گم راہ دل

حریف: مخالف

لونڈی: نوکرانی، ملازمہ

عجز: عاجزی، انکسار

عدی: حاتم طائی کے فرزند

تہامہ: مراد سرزمین عرب (مکہ مکرمہ)

منشا: مرضی

سلاطین: سلطان کی جمع

استعداد: قابلیت، صلاحیت

بے کس: مجبور، لاچار

خوش طبعی

خوش طبعی: خوش مزاجی

کنایہ: اشارہ، استعارہ

استعارہ: ادھار لینا

نسب نامہ: خاندان کا شجرہ، حسب نسب

خندہ جبیں: مسکراتی پیشانی والا یعنی خوش اخلاق

مبانی: بنیاد رکھنے والا

بوقلموں: رنگ رنگ کے، رنگا رنگ

بانکا: شوخ، شریر

لبِ لباب: خلاصہ

گوناگوں: قسم قسم کے، طرح طرح کے

قاضیُ القضاۃ: قاضیوں میں سب سے بڑا قاضی

شیخ الاسلام: بہت بڑے سنی عالم

خوش طبع: خوش مزاج

مکر باز: دھوکا دینے والا

بہروپیا: کسی اور کا لباس پہن کر نقل کرنے والا

ظرافت: مسخرا پن، مذاق کرنا

بھانڈ: ہنسی مذاق کرنے والا

پھوہڑ: بے سلیقہ، بے ہنر

طرفہ معجون: عجیب و غریب صفات کا حامل شخص، پل میں کچھ پل میں کچھ

خلعت: شاہی لباس

مسند: کرسی، تخت

تمسخر: مذاق اڑانا

تصنیف: تحریر، کتاب وغیرہ لکھنا

عالم گیر کا انصاف

بے گانہ: غیر، اجنبی

رُقعہ: چٹھی، خط

منصب: عہدہ

نازو نعم: لاڈ، پیار، نازو نعمت

جچے تلے: ٹھیک ٹھیک، مناسب

مستعدی: چالاکی، پھرتی

راحت رسانی: آرام پہنچانا

عصائے پیری: بڑھاپے کا سہارا (بیٹا)

ہشاش بشاش: خوش و خرم

مترشح: ظاہر، عیاں

کوکہ: رضاعی بھائی یا بہن

خاصّے: دستر خوان

قاب: تھال

پالکی: لکڑی کی بنی ہوئی مستطیل شکل کی چاروں طرف سے بند دو دروازوں والی سواری جس میں آگے پیچھے ڈنڈے لگے ہوتے ہیں جسے کمہار اپنے کندھوں پر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں

آرٹیکل: مضمون

بال بیکا نہ ہونا: ذرا سا بھی نقصان نہ پہنچنا

قحط الرجال

قحط الرجال: لائق لوگوں کا نہ ہونا

ارزاں: سستی

مرگ انبوہ کا جشن: عام مصیبت ایک قسم کا جشن بن جاتی ہے۔ دوسروں کی مصیبت دیکھ کر رنج کم ہو جاتا ہے۔

حشرات الارض: زمینی کیڑے مکوڑے

تجویز: رائے

نامانوس: اجنبی

ہالہ: دائرہ

الہامی: آسمانی

ولنذیری بچہ: ہالینڈ کا رہنے والا

غول در غول: گروہ در گروہ

بہتیرا: بہت سا

تزکیہ: افکار اور اعمال کو پاک کرنا

مشاعرہ

یک جا: ایک جگہ

شعری نشست: شاعری کی محفل

عروض و قوافی: بحریں اور قافیے

خوش مذاقی: عمدہ ذوق، ہنس مکھ ہونا

ذوق سلیم: عمدہ ذوق

اعانت: مدد کرنا

استعانت: مدد چاہنا

سامعین: سننے والے

قیاس: تخمینہ، اندازہ

ضرب المثل: کہاوت

وُسعت: پھیلاؤ

ہیئت: حلیہ

حلقہ بندی: چاروں طرف سے احاطہ

تقلید: نقل کرنا، پیروی کرنا

تحسین و تفہیم: داد دینا، تعریف کرنا

خوش گُلوئی: اچھی آواز، میٹھی آواز والا

بَزم: محفل

ترویج: رواج دینا، رائج کرنا

ذوقِ سلیم: عمدہ ذوق

تصرّف: استعمال

سونے پر سہاگا: خوبی پہ خوبی

چشم و چراغ: مراد بیٹا

مروّج: رائج

مستعمل: جس پر عمل ہو رہا ہے

دوش بہ دوش: شانہ بہ شانہ، ساتھ ساتھ، کندھے سے کندھا ملانا، ساتھ دینا

مراختہ: مشاعرے کا ایک انداز جس میں خالصۃً زبان کا استعمال کیا گیا ہو

مسالمہ: وہ مشاعرہ جس میں حضرت امام حسینؑ پر نظموں میں سلام پیش کیا جاتا ہے

مناظمہ: نظمیہ مشاعرہ

مغازلہ: غزلیہ مشاعرہ

عمائدین: معززین اور صاحبِ تکریم لوگ

عوامل: عاملین، کارندے، عامل کی جمع

محفل سماع: وہ محفل جس میں قوالیاں پیش کی جاتی ہیں

اربابِ حل و عقد: صاحبانِ اختیار

تشاعر: نقلی شاعر، بناوٹی شاعر

ذوقِ سخن: شاعری کا شوق

ادب آموزوں کے نام

استفسار: سوال کرنا، پوچھنا

تناسب: باہمی تعلق، دو چیزوں کی آپس میں مقدار مثلاً: $\frac{۱}{۲} = \frac{۲}{۴}$

شعریت: شعری خوبی

ادب آموز: ادب سکھانے والا

نیک نامی: عزت و شہرت

تعیین: مقرر کرنا

پھیر میں پڑنا: پریشانی میں پڑنا

لاہور میں ادیبوں کی کالونی

ٹانگ اڑانا: دوسروں کے معاملے میں دخل دینا

دامن گیر: وہ خیال، جذبہ یا مصیبت وغیرہ جو رکاوٹ یا مزاحمت پیدا کرے

بدعت: نئی رسم

بہتات: کثرت

سَرِقَہ: چوری

اربابِ نشاط: موسیقی سے تعلق رکھنے والے لوگ

اربابِ ذوق: ادب سے تعلق رکھنے والے لوگ

میرا البم

مقفل: تالے میں بند

مسوّدہ: ابتدائی تحریر، ہاتھ کی لکھی ہوئی

فی الفور: فوراً، جلدی سے

سُبک سار: ہلکا پھلکا

مساعی: کوششیں

خفت آمیز: شرمناک

نبرد آزما: مقابلہ کرنے والا

فربہی: موٹاپا

اثاثہ: ملکیت

بد وضع: بے ڈھنگا

کرم خوردہ: وہ کتاب جس میں کیڑا لگ گیا ہو

تلاش بسیار: بہت زیادہ تلاش

ضیاپاش: روشنی ڈالنے والا

نووارد: نیا نیا آنے والا

ہمک کر: بچے کا اپنی ماں کی طرف محبت سے لپکنا

حق تلفی: کسی کا حق ادا نہ کرنا

متحجرات: قدیم زمانے سے کوئی چیز جامد صورت میں زیر زمین دبے رہنے سے پتھر بن جاتی ہے، جسے رکاز بھی کہتے ہیں اور انگریزی میں (Fossils) کہتے ہیں

عبا: چغا، کپڑوں کے اوپر پہنے جانے والا لباس

مسخ شدہ: بگڑا ہوا

قلانچیں: چھلانگیں

درخشاں: چمکتا ہوا، روشن

دست بستہ: ہاتھ باندھے ہوئے

مرطوب: بھیگا ہوا

خدوخال: چہرے کے نقوش

تابانی: روشنی، چمک

متحرک: حرکت والا

گم گشتہ: کھویا ہوا

سحر ہونے تک

سحر: صبح

کُوچہ: گلی

اُمنڈ کر: جوش میں آکر

معلق: لٹکا ہوا

عقیدت: اعتقاد، خلوص و محبت

منظم: ترتیب دیا ہوا

چنداں: بالکل، قطعی

مجمع: ہجوم

استعجاب: تعجب ہونا، حیرت

ہمہ دانی: ہر بات کی واقفیت

آفریں: شاباش

بہ قول شخصے: کسی شخص کے کہنے کے مطابق

مضمحل: تھکا ہوا

ولولہ: جوش و خروش

بلّیوں اچھلنا: خوشی سے ایک دم اچھلنا

عالمی بساطِ سیاسی: بین الاقوامی سیاست

زمین

سرگوشی: کان میں آہستہ آہستہ چپکے سے کچھ کہنا

کانپنا: خوف سے جسم کا لرزنا

سانس پھولنا: ہانپنا

وحشت زدہ: خوف زدہ

نئے دور کی لڑکی

کارچوب: کشیدہ کاری میں کام آنے والا فریم

ولایت: انگلستان

سیانی: سمجھ دار

ناتا: رشتا

مکھی چوس: کنجوس

دودھوں نہاؤ پُوتوں پھلو: ضرب المثل، جس کا مطلب ہے دولت اور اولاد میں کھیلتی رہو

منشا: مرضی

جگ: دنیا

ریت: رسم و رواج

چار مال دار

چشم گریاں: روتی ہوئی آنکھیں

مہرہ: کوڑی یا سیپ

کوس: دو میل کا فاصلہ

پشیمانی: شرمندگی

سخن: گفتگو

بانگ: آواز

باسینۂ پُرسوز: نہایت صدمے یا غم سے

سبز پوش: ہرا لباس پہنے ہوئے

مولانا حسرت موہانی

ایذائیں: تکلیفیں

صعوبتیں: مصیبتیں

لغزش: لڑکھڑاہٹ

شیدائی: فدا ہونے والا

للکار: رعب دار آواز میں مقابلے کے لیے بلانا

تصنع: بناوٹ

تکلف: ظاہرداری، نمایش

طبع: چھپنا

حق گوئی: حق کی بات کرنا

حلیم الطبع: سنجیدہ

دستور ساز: قانون بنانے والا قومی ادارہ

نایاب: ناپید، غیر موجود

منکسر المزاج: عاجزی سے پیش آنے والا

شرابور: سرتاپاتر اور آلودہ

ادارت: کسی اخبار یا کتاب سے چھپوانا، مناسب ترتیب

بیش بہا: بہت قیمتی

مخطوطات: ہاتھوں سے لکھی ہوئی پرانی تحریریں

اعتدال: میانہ روی، توازن، معتدل صورت

متانت: سنجیدگی

تلف: ضائع ہونا، مٹ جانا

ایفائے وعدہ: وعدہ پورا کرنا

سر اقبال مرحوم

جگرِ لالہ: صحرائی گلاب، گلِ لالہ کا سیاہ داغ

دہل جانا: ڈر جانا

آسیائے گردشِ ایام: (مراد) زمانے کی گردش

طفلی: بچپن

والہانہ: بے اختیارانہ، جذباتی لگاؤ

متوازی و متوازن: صحیح صحیح

حشو و زوائد: فضول باتیں

صنائع و بدائع: تحریر یا شاعری کی خوبیاں

تعلی: شیخی

اِنقباض: ناشگفتگی، کوفت

معتقدین: عقیدت رکھنے والے

فوق البشر: انسانی صفات سے بلند

متنازع فیہ: وہ چیز جس کے متعلق جھگڑا ہو

منکشف: ظاہر، کشادہ، شفاف

تشفی: تسلّی

قطعًا: بالکل

نفس: سانس

ذکاوت: ذہانت

وضع: بنایا ہوا

شبہات: شبہ کی جمع، شک

سدھارے: وفات پا گئے

زائل: ضائع ہونا

چمنے کہ تا قیامت.....

کرم فرما: مہربان

موصوف: وہ صاحب جن کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں

بربنائے انکسار: عاجزی کی وجہ سے

معرفت: روحانیت کی ایک بلند منزل

رعونت: خود پرستی، تکبر

سرکوبی: سزا دینا

حلق: بال منڈانا

گرگابی: بغیر تسمے کے جوتے

فیضانِ نظر: کسی بزرگ کی توجہ یا تربیت

لسانیات: علمِ زبان

ہم درس: ہم جماعت، ایک ہی جماعت میں پڑھنے والے

تبحرِ علمی: علم کا سمندر ہونا، انتہائی قابلیت

مسحور: جو سحر میں گم ہو جائے

سطحی لیاقت: کم قابلیت

مدیح: تعریف کرنے والا، مدح کرنے والا

تاجِ خروس: مرغ کی کلغی یا سر کا تاج، مرغ کے سر پر لال لال گوشت کا تاج

دل پذیر: دل کو لبھانے والی

دولت کدہ: گھر، دولت کا گھر، بڑی شخصیت کے گھر کو تعظیماً اور احتراماً کہا جاتا ہے

راہِ راست: سیدھا راستہ، سچا راستہ

زُہد و وَرَع: پرہیزگاری

مضائقہ: ہرج، قباحت

بہ مقدور: جہاں تک ہو

خندہ جبینی: خوش اخلاقی

دُرشتی: سختی سے

قدم رنجہ ہونا: تشریف لانا

راس آنا: مقصد کے مطابق ہونا

اَدن: مشکل

بہ زعمِ خویش: اپنی قابلیت پر تکبر کرتے ہوئے

ہمہ دانی: سب کچھ جاننا

ہمہ اوست: سب کچھ وہی ہے، خدا کے بارے میں فلسفیانہ سوچ

ہمہ از اوست: سب کچھ اسی سے ہے، یہ بھی خدا کے بارے میں ایک فلسفیانہ سوچ ہے

استفادہ: فائدے حاصل کرنا

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

شامت: مصیبت، کم بختی

بر سبیلِ تذکرہ: تذکرے کے طور پر

قُم: جی اُٹھے، کلمہ قُم باذن اللہ کا پہلا لفظ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے کو زندہ کرتے وقت یہ کلمہ کہا کرتے تھے یعنی اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا)

ضم: دو چیزوں کو آپس میں ملانا

سحر خیز: سویرے اٹھنے والا

چوبی: لکڑی کی بنی ہوئی

صبحِ کاذِب: صبح صادق سے پہلے کا وقت

منظورِ نظر: پسندیدہ شخص

عدم تشدّد: پُرامن

نابہ کار: نکما، بے کار

نکٹائی: ٹائی

روح افزا: طبیعت کو فرحت و تازگی بخشنے والا

خندہ پیشانی: خوش اخلاقی

دیباچہ: وہ تحریر جو کتاب کے بارے میں ہو

طمانیت: اطمینان، تسلی

دل شکنی: دل توڑنا

جادو بیانی: نہایت عمدہ بیان

اولوالعزمی: بلند ہمتی، جرأت

اوسان خطا ہونا: (محاورہ ہے) ہاتھ پیر چھوڑ دینا، گھبرا جانا

کسالت: سستی

کرکٹ

تأسف: افسوس

تعزیری: قانونی سزا، مراد سخت کام کرنا

عرق ریزی: باریکی سے کام کرنا، سخت محنت کرنا

رَسیا: شوقین

گراں: بھاری

غبی: کند ذہن

لائقِ التفات: مہربانی کے قابل

فتویٰ: شرعی حکم

خلقت: عوام

حمد

اختیارِ بشر: انسانی مرضی

سماعتیں: سننے کی حس

رُتوں: رُت کی جمع، موسموں

خانۂ لاشعور: عقل میں نہ آنا

نعت

ایمان مفصل: ایمان کی تفصیل

قضا: موت

مداح: تعریف کرنے والا

نقاشِ ازل: کائنات کا پیدا کرنے والا، مراد اللہ تعالیٰ

الکن: ہکلی، توتلی، لکنت والی

مجمل: ایمان کے لیے مختصر ترین الفاظ

راہِ عدم: موت کی راہ

منقبت

لائقِ توقیر: قابلِ عزت

جانشیں: خلافتِ رسول پاک کا منصب سنبھالنے والا

میزان: ترازو

جامع القرآن: قرآن کو جمع کرنے والا، مراد حضرت عثمانؓ

ذوالنورین: دو نور والا، مراد حضرت عثمانؓ۔ آپ کے نکاح میں نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئی تھیں

حضرت فاطمۃ الزہرؓا کی رخصتی

ردائے صبر: مراد صبر کی چادر

مہر و وفا: مراد محبت کرنے والی اور وفادار

عفت: پاک دامنی، پارسائی

بدزیب: بھدا، جو خوب صورت نہ ہو

ارزانی: چیزوں کا سستا ہونا، کم قیمت ہونا

سجدہ ریز: سجدہ کرنے والی

گہنے: زیورات

توفیق: کوئی نیک کام کرنے کا موقع

اُسوہ: طرزِ زندگی

یمن و سعادت: برکت اور نیک بختی

خاتم: انگوٹھی، مہر

پدر: باپ

توکل: بھروسا

تسنیم و کوثر: جنت کی دو نہروں کے نام

چاند اور تارے

مدام: ہمیشہ، دائم

حجر: پتھر

خوشہ چینو: اے فصل کٹنے کے بعد گرے ہوئے گچھے چننے والو مراد ہے اے ستارو!

اُشہب: سیاہ و سفید گھوڑا

جنبش: حرکت، ہلچل

تازیانہ: چابک، کوڑا

ستم کشی: ستم کرنا

مزرعِ شب: رات کی کھیتی مراد ستارے

بے محل: بے وقت یا نامناسب جگہ

خرام: چال، آہستہ آہستہ چلنا

بدلی کا چاند

خورشید: سورج

صباحت: خوب صورت

غرفوں: کھڑکیوں

ضیا: روشن

امواج: موج کی جمع، لہریں

ظلمت: اندھیرا

کہسار: پہاڑی سلسلہ

تجلّی: روشنی

چلمن: تیلیوں یا باریک ڈوریوں کا بنا ہوا پردہ

گردوں: آسمان، فلک

کتبہ کون لکھے گا

شکست وریخت: ٹوٹ پھوٹ

قریے میں: بستی میں

کتبہ: قبر کے سرھانے لگا ہوا پتھر جس پر مرحوم کا نام لکھا ہوتا ہے

تسخیر: قابو میں لے لینا

زمیں زادوں: مراد ہے انسانوں

گنجان: بہت زیادہ آباد

الاؤ: گھاس پھوس کا جلتا ہوا انبار

پُرسا: تعزیت کرنا

مرہم

جویائے مرہم: چارہ یا علاج تلاش کرنے والا

زخمِ تمنّا: مراد، آرزو پوری نہ ہونے کر رنج / دکھ

دو بہرے شناساؤں کی ملاقات

قصد: ارادہ

شناساؤں: واقف کار لوگ

گیت

رَچنا: مہندی کا تیز رنگ آنا

مَن: دل

بَن: جنگل

پنچم: ایک راگ کا نام ہے

بھاؤ: قیمت

جھانجھن: پایل کی طرح کا پاؤں کا ایک زیور

اٹریا: چھوٹا سا اوپر والا مکان

امبر: آسمان

غزلیات

یاس: مایوسی، غم، نااُمیدی

بجز: سوائے

جِفا: ظلم، ستم

ڈھب: انداز

دل گرفتہ: غم گین

سروِ چراغاں: لکڑی کے ٹکڑوں سے سرو کی شکل بناتے ہیں اور اُس کی شاخوں پر چراغ روشن کرنے کا عمل

مونس ہجراں: دوست کی جدائی کا غم بٹانے والا، تنہائی کا دوست

تجاہل: ان جان پن، بے پروائی

تساہل: سستی، غفلت برتنا

تغافل: بے توجہی

تصرُّف: قبضہ، دخل، اختیار

غل: شور، جنون کی حالت میں آہ و فغاں کرنا

توسّل: وسیلہ، سفارش

دلِ زار: بے چین دل

تامل: غور و فکر، سوچ بچار

سوز: درد، جلن

عُذر: بہانہ، معذرت

تیغ: تلوار

معمورے: دنیا، جہان

راحت افزا: سکون دینے والا

اغیار: غیر کی جمع، غیر لوگ

حرفِ ناصح: نصیحت کرنے کے الفاظ

اربابِ جنوں: دیوانے لوگ

لغزشِ پا: پاؤں کی جنبش

پیمانِ وفا: وفا کرنے کا وعدہ

شہرِ طرب: خوشیوں سے بھرا شہر

مُدّعا: مقصد

چارہ گر: تدبیر کرنے والا

متصل: ملا ہوا، ساتھ

ثنا: تعریف

چٹکنا: ٹوٹنا، پھولوں کا یا چاندنی کا ہر طرف پھیل جانا

ختم شد